بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلام واستیذان
کے
فضائل واحکام

از

مولانا مفتی محمد جمال الدین قاسمی

(استاذ حدیث وصدر مفتی دار العلوم حیدرآباد)

فون:09392298508

ای میل:mjqasmi74@gmail.com

جملہ حقوق محفوظ

دوسرا ایڈیشن: ۱۴۴۱ھ

نام کتاب	:	سلام واستیذان کے فضائل واحکام
مؤلف کتاب	:	مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی
		(استاد حدیث وصدر مفتی جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد)
صفحات	:	۱۴۱
قیمت	:	۵۰/روپے
کمپیوٹر کتابت	:	مفتی محمد عبداللہ سلیمان مظاہری
تزئین وسیٹنگ	:	قبا گرافکس، حیدرآباد، فون:9704172672

ملنے کے پتے

(۱) مکتبہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور

(۲) ہندوستان پیپرایمپوریم حیدرآباد

(۳) حافظ عبدالرحمن بیت العلم محلہ شمالی کومئی ڈاکخانہ ناڑی ضلع دربھنگہ (بہار)
فون:06305248704

(۴) قبا گرافکس، قبا کالونی، شاہین نگر، حیدرآباد، فون:09704172672

فہرست عناوین

عرض مرتب	۱۲
اہل اسلام کا تحیہ	۱۴
سلام کی ابتداء کیسے ہوئی	۱۵
سلام کرنا امت محمدیہ کی خصوصیت ہے	۱۶
سلام اللہ کا نام ہے	۱۷
سلام نیکی میں اضافہ کرتا ہے	۱۸
سلام میں پہل کرنے والوں کی فضیلت	۱۸
سلام میں پہل کرنے والا کبر سے بری	۱۹
سلام میں پہل کرنے والا قطع رحمی سے محفوظ ہے	۱۹
سلام کرنے والے کو جنت کی بشارت	۲۰
افشائے سلام آپسی محبت کا ذریعہ	۲۰
سلام باہمی تعلقات میں استحکام کا ذریعہ	۲۱
افشائے سلام جزو اسلام ہے	۲۱
سلام نہ کرنے والا سب سے بڑا بخیل	۲۲
گفتگو سے پہلے سلام	۲۲

سلام کرنے میں امتیاز نہ برتے	۲۳
مجلس میں سے کسی کو خاص کر کے سلام کرنا	۲۳
سلام کرنا کیسا ہے؟	۲۴
سلام کے الفاظ کیا ہوں؟	۲۶
سلام صاف الفاظ میں کیا جائے	۲۷
بوقت ملاقات ''السلام علیکم'' ہی کیوں؟	۲۷
السلام علیکم کے ساتھ ''ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کے اضافہ کی حکمت	۲۸
ایک شبہ اور اس کا جواب	۲۹
رحمت وبرکت کے ساتھ اللہ کا ذکر کیوں؟	۲۹
سلام کو واحد لانے کی حکمت	۳۰
رحمۃ کو واحد لانے کی حکمت	۳۰
برکات کو جمع لانے کی حکمت	۳۱
السلام کو پہلے ذکر کرنے کی وجہ	۳۱
فرشتوں کا سلام	۳۳
اہل جنت کا سلام	۳۳
السلام علیک کہنا	۳۳
سلام علیک کہنا	۳۴
سلام علیکم کہنا	۳۴
علیک السلام	۳۵
ابوجری ہجیمی رضی اللہ عنہ کی حدیث کا صحیح محمل	۳۶
علیکم السلام کے ذریعہ سلام کرنا	۳۷
سلام کے مسنون کلمات	۳۸

سلام کے غیر مسنون کلمات	۳۹
سلام کا معنی	۴۰
عربی کے علاوہ دوسری زبان میں سلام	۴۱
الفاظِ سلام کی آخری حد	۴۲
وبرکاتہ پر اضافہ	۴۳
حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ کی رائے	۴۶
مولانا زکریا صاحب علیہ الرحمۃ کی رائے	۴۶
وبرکاتہ پر اضافہ سنت ہے؟	۴۶
اللہ کو سلام کر سکتے ہیں یا نہیں؟	۴۷
سلام کرنے میں اہل علم کی کوتاہی	۴۸
سلام کے بعد خیریت معلوم کرنا	۵۰
خیریت دریافت کرنا سو رحمتوں کے نزول کا سبب	۵۱
خوش آمدید کہنا	۵۲
سلام کے لیے سر پر ہاتھ رکھنا	۵۳
سلام کا جواب دینا	۵۳
سلام کے جواب کا شرعی حکم	۵۴
جواب میں سلام کے الفاظ پر زیادتی	۵۴
بچوں کو سلام	۵۵
بچوں پر سلام کا جواب	۵۶
بچوں کے سلام کا جواب	۵۷
اپنے بچوں کو ''السلام علیکم'' کا عادی بنائیں	۵۷
سلام کا جواب دینا کب ضروری ہے؟	۵۹

سلام کا جواب فوراً دے	٦٠
سلام کا جواب سلام ہی سے دیا جائے	٦٠
السلام علیکم کے بجائے تسلیم وغیرہ	٦١
سلام کا جواب دینے میں بخل سے کام نہ لے	٦١
سلام کا جواب وعلیکم سے دے	٦٢
سلام کے جواب میں صرف وعلیک کہنا	٦٢
جیتے رہو اور خوش رہو کہنا	٦٣
اسکول، کالج میں مسلم بچے سلام کیسے کریں؟	٦٣
جوڈو کراٹے سینٹر میں جھک کر سلام کرنا	٦٤
سلام واستقبال کے غیر شرعی طریقے	٦٥
جھنڈے اور پرچم کو سلام کرنا	٦٥
سلام کا جواب اشارہ سے دینا	٦٦
کیا آپ ﷺ نے ہاتھ سے اشارہ کرکے سلام کیا تھا	٦٦
رخصت ہونے والے کے سلام کا جواب دینا	٦٧
رخصت کرتے وقت ''خدا حافظ'' یا ''فی امان اللہ'' کہنا	٦٨
جس کے بارے میں گمان ہو کہ وہ سلام کا جواب نہیں دے گا تو؟	٦٩
سلام کرنے میں تکرار	٧٠
نماز میں مشغول شخص کو سلام	٧١
اشارہ سے جواب دے سکتا ہے؟	٧١
تلاوت کرنے والے کو سلام	٧٣
خطبہ سننے والوں کو سلام	٧٤
وعظ وتقریر کے دوران سلام	٧٥

درس وتدریس کے وقت سلام کرنا	۷۶
درجِ ذیل حضرات کو سلام نہ کیا جائے	۷۶
مرد کا کسی خاتون کو سلام کرنا	۷۶
کسی خاتون کا مرد کو سلام کرنا	۷۷
کثرت سے سلام کرنے میں خواتین کی کوتاہی	۷۸
بہرا کو سلام	۷۸
گونگا کو سلام	۷۹
سلام اگر مجمع کو کیا جائے تو؟	۷۹
اہل مجلس میں سے ہر ایک کو سلام	۷۹
بہت سے حضرات کسی مجمع پر سے گذریں تو؟	۸۰
سوار پیدل چلنے والے کو سلام کرے	۸۱
پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے شخص کو سلام کرے	۸۱
حدیث میں ذکر کردہ تفصیل کے خلاف سلام کرے تو؟	۸۲
مصروف راستہ سے گذرنے والوں کو سلام	۸۳
دو سوار گذریں تو سلام کون کرے؟	۸۳
ہر لحاظ سے مساوی شخص کا آمنا سامنا ہو تو؟	۸۴
افضل شخص کا سلام کرنے میں پہل	۸۴
مبتدع اور فاسق کو سلام	۸۶
ڈاڑھی منڈانے والے کو سلام	۸۶
تنبیہ کی غرض سے سلام کا جواب نہ دینا	۸۷
پیچھے سے اچانک سلام کردینا	۸۸
ٹیپ رکارڈ، ریڈیو وغیرہ سے کیا گیا سلام	۸۸

نئے چاند کو دیکھ کر سلام کرنا	۸۹
تحفہ ملنے پر سلام کرنا	۸۹
دولہے کا اہل مجلس کو سلام کرنا	۸۹
کسی کی معرفت سلام بھیجنا	۹۰
سلام پہونچانے کا حکم	۹۱
ایک دوسرے کو سلام بھیجنا	۹۱
سلام بھیجنے والے کے سلام کا جواب	۹۲
سلام پہونچانے والے کو جواب میں شریک کرنا	۹۳
جواب میں شریک کرنا واجب ہے؟	۹۳
شریک کرنا مستحب ہے	۹۳
حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ کا دعوی محل نظر	۹۵
سلام پہونچانے والے کو جواب میں پہلے ذکر کیا جائے یا بعد میں؟	۹۷
نام لیا جائے یا نہیں؟	۹۸
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام بھیجنا	۹۹
خط وکتابت میں سلام لکھنا	۱۰۰
خط میں سلام مسنون لکھنا	۱۰۰
خط یا درخواست کے اخیر میں سلام لکھنا	۱۰۲
خط کے اخیر میں السلام علیکم سے پہلے ''واو'' لکھنے کی وجہ	۱۰۳
قابل احترام شخصیات کے خط میں دوسروں کو سلام نہ لکھے	۱۰۴
تحریری سلام کا جواب	۱۰۴
جوابی سلام میں کیا لکھے؟	۱۰۶
کافروں کو سلام	۱۰۶

دلائل پر ایک نظر	۱۰۸
غیر مسلموں کو سلام کیسے کرنا چاہیے؟	۱۰۸
غیر مسلم کو نمسکار کرنا اور ہاتھ جوڑنا	۱۰۹
نمستے، پرنام یا ست شری اکال کہنا	۱۰۹
رام رام کہنا	۱۰۹
آفس میں غیر مسلم کو گڈ مارننگ کہنا	۱۱۰
اگر غیر مسلم، مسلمان کو السلام علیکم کہہ دے تو؟	۱۱۰
کافر سلام بھجوائے تو؟	۱۱۰
اگر غیر مسلم غیر اسلامی الفاظ میں سلام کرے تو؟	۱۱۰
مسلم اور غیر مسلم کو خط میں سلام لکھنے کا طریقہ	۱۱۱
غیر مسلموں سے خط و کتابت اور ملاقات کے وقت کیا لفظ استعمال کرنا چاہیے؟	۱۱۱
مسلمان سمجھ کر کسی کافر کو سلام کر لیا تو؟	۱۱۲
کسی کے متعلق مسلمان یا کافر ہونے میں شک ہو تو؟	۱۱۳
جس مجلس میں مسلمان اور کافر دونوں ہوں تو سلام کا حکم	۱۱۳
کافروں کے سلام کا جواب	۱۱۴
کافروں کے سلام کا جواب کس طرح دیا جائے	۱۱۵

گھر میں داخل ہوتے وقت اجازت لینے کے آداب

گھر میں داخل ہوتے وقت سلام	۱۱۷
گھر والوں کو سلام کرنا خیر و برکت کا سبب ہے	۱۱۸

اپنے گھر میں آنے کا طریقہ	۱۱۹
جس گھر میں رشتہ دار ہوں تو؟	۱۲۰
گھر سے باہر جاتے وقت گھر والوں کو سلام	۱۲۱
استیذان کا حکم	۱۲۱
رشتہ دار کے لیے اجازت لینے کا حکم	۱۲۲
استیذان کی اہمیت	۱۲۳
استیذان کی حکمتیں	۱۲۵
استیذان کا حکم مرد وعورت دونوں کے لئے ہے	۱۲۶
جس گھر میں صرف بیوی ہو تو؟	۱۲۷
استیذان کا طریقہ	۱۲۸
اجازت لینے والا اپنا نام ظاہر کرے	۱۳۰
اجازت لینے کا غلط طریقہ	۱۳۱
دستک زور سے نہ دے	۱۳۱
اجازت لینے کا کوئی متعین طریقہ نہیں ہے	۱۳۲
ملاقات کی اجازت نہ ملے تو؟	۱۳۲
بلا مجبوری ملنے سے عذر نہ کرے	۱۳۳
استیذان کا جواب نہ آئے تو؟	۱۳۳
اجازت نہ ملنے پر حضور ﷺ کا عمل	۱۳۴
صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل	۱۳۵
استیذان کے بغیر کسی کا انتظار کرنا	۱۳۶
رفاہ عام والے مکانات میں استیذان کا حکم	۱۳۷
رفاہ عام کے بعض مخصوص مکانات	۱۳۸

استیذان کے وقت کہاں کھڑا ہو؟	١٣٨
حادثہ کے وقت استیذان کا حکم	١٣٩
قاصد کے ساتھ آنے والے کے لئے استیذان	١٣٩
فون کرنے کے آداب	١٤٠
فون پر طویل گفتگو	١٤٠
فون پر بات کرنے کے لئے اجازت لینا	١٤٠
فون نہ اٹھانا	١٤١
موبائل پر آخر میں سلام	١٤١

عرض مرتب

اسلام سے قبل دنیا کی تمام متمدن قوموں اور گروہوں میں ملاقات کے وقت پیار ومحبت یا اظہار خوشی کرنے اور مخاطب کو مانوس ومسرور کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی کلمہ کہنے کا رواج رہا ہے اور آج بھی ہے، ہمارے ملک ہندوستان میں ہمارے برادران وطن ہندو، ملاقات کے وقت ''نمستے'' اور ''رام رام'' کہتے ہیں، بعض لوگ ''نمشکار'' ''پرنام'' اور جے رام بھی کہتے ہیں۔

یورپ کے لوگوں میں صبح کی ملاقات کے وقت ''گڈ مارننگ'' (اچھی صبح) اور شام کی ملاقات کے وقت ''گڈ ایوننگ'' (اچھی شام) اور رات کی ملاقات میں ''گڈ نائٹ'' (اچھی رات) وغیرہ کہنے کا رواج ہے، رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت عربوں میں بھی اس موقع سے کچھ کلمات مثلا: أنعم صباحاً وغیرہ ملاقات کے وقت کہنے کا رواج تھا۔

لیکن اسلام نے ان سب سے بہتر کلمات کو ایسے موقع پر استعمال کرنے کا حکم دیا ہے، اور وہ ہے: **''السلام علیکم''**، چنانچہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ کا بیان ہے: کہ ہم لوگ اسلام سے پہلے ملاقات کے وقت آپس میں **أَنْعَمَ اللّٰهُ بِكَ عَيْناً** (خدا آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب کرے) اور **أنعِمْ صَبَاحاً** (تمہاری صبح خوش گوار ہو) کہا کرتے تھے، جب ہم لوگ جاہلیت کے اندھیرے سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آ گئے تو ہمیں اس کی ممانعت کر دی گئی یعنی اس کے بجائے ہمیں **''السلام علیکم''** کی تعلیم دی

گئی۔(ابوداؤد، رقم الحدیث: ۵۲۳۷)

اسی طرح کسی کی خلوت والی جگہ میں جانے سے پہلے اجازت لے کر جانے کا حکم ہے، اجازت کیسے لی جائے، اور اگر اجازت نہ ملے تو کیا کرنا چاہئے، یہ سب امور اسلام میں بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں۔

اگلے صفحات میں سلام اور استیذان سے متعلق تفصیلات بیان کی جاتی ہیں؛ تاکہ اسے ہم اپنی زندگی کا لازمی حصہ بنائیں اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دے سکیں۔ واللہ ولی التوفیق، وما توفیقی الا باللہ ، علیہ توکلت والیہ انیب، وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

۵/رجب ۱۴۴۰ھ	محمد جمال الدین قاسمی
۱۲/۳/۲۰۱۹ء	مقیم دارالعلوم حیدرآباد

ابو طالب مکی ؒ نے کتاب التحیہ میں لکھا ہے کہ یہودیوں کا سلام ہتھیلیوں اور انگلیوں کے ذریعہ ہوا کرتا تھا، زبان سے وہ کچھ نہیں بولتے تھے، اور اہل کسری اس غرض سے بادشاہوں کو سجدہ اور زمین بوسی کرتے تھے، اور کبھی ان کے سامنے ہاتھ کو زمین پر ڈال دیا کرتے تھے، اہل روم اپنا سر کھول کر جھکا دیا کرتے تھے، اہل حبشہ اپنے دونوں ہاتوں کو نہایت سکون کے ساتھ سینہ پر باندھ لیا کرتے تھے، اہل حمیر کے یہاں یہ رواج تھا کہ وہ ملاقات کے وقت اپنی انگلی اٹھاتے تھے، جس طرح دعا کیلئے اٹھائی جاتی ہے، اور اہل یمامہ کے یہاں یہ معمول تھا کہ جس کو تحیہ کیا جائے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا جائے، اور اگر تحیہ میں مبالغہ مقصود ہوتا تو بار بار رکھا اور اٹھایا جاتا تھا۔

اہل اسلام کا تحیہ

لیکن اہل اسلام کا تحیہ ان سب سے مختلف ہے، ان کا تحیہ سلام کے ذریعہ ہوا کرتا ہے، مولانا زکریا صاحب کاندھلوی ؒ لکھتے ہیں:

تحية العرب بالسلام وهو افضل التحيات وهو تحيه الملائكة بينهم وتحية اهل الجنه فى الجنه، قال تعالى : وتحيتهم فيها سلام - (۱)

اہل عرب (اسلام) کا تحیہ سلام کے ذریعہ ہوا کرتا تھا، جو تمام تحیات میں افضل وبہتر ہے، یہی تحیہ ملائکہ کے درمیان رائج ہے اور یہی تحیہ جنت میں اہل جنت کا ہوگا، خود ارشاد باری تعالی ہے : اور اہل جنت کا تحیہ جنت میں سلام ہوگا۔

حضرت عمران بن حصین ؓ کا بیان ہے:

كُنَّا نَقُولُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَنْعَمَ اللَّهُ بِكَ عَيْنًا، وَأَنْعِمْ

(۱) اوجز المسالک ۶/ ۳۸۱۔

صَبَاحًا، فَلَمَّا كَانَ الْإِسْلَامُ نُهِينَا عَنْ ذَلِكَ ۔ (۱)

ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں **انعم اللّٰہ بک علینا** (اللہ تمہاری آنکھیں تیری محبوب چیزوں سے ٹھنڈی کرے) اور **انعم صباحا** (تم صبح کے وقت اللہ کی نعمتوں سے مالامال رہو) کہا کرتے تھے؛ لیکن جب دین اسلام آیا تو ہم کو اس سے روک دیا گیا۔

اور ابن ابی حاتم علیہ الرحمہ نے مقاتل بن حیان علیہ الرحمہ سے نقل کیا ہے:

كَانُوا فِي الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ حُيِّيتَ مَسَاءً حُيِّيتَ صَبَاحًا فَغَيَّرَ اللَّهُ ذَلِكَ بِالسَّلَامِ۔(۲)

اہل عرب زمانہ جاہلیت میں ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو **حییت مساء** اور **حییت صباحا** کہا کرتے تھے؛ لیکن اسلام نے اس کو سلام سے بدل دیا۔

ان روایات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سلام کی مشروعیت صرف مسلمانوں کے لئے ہوئی ہے؛ اسی لئے ابراہیم نخعی، میمون بن مہران رحمہما اللہ وغیرہ سلام کے علاوہ دیگر الفاظ مثلا: **حیاک اللّٰہ** ملاقات کے وقت کہنا پسند نہیں کرتے تھے اور لفظ **السلام علیکم** کہنا بہتر سمجھتے تھے۔(۳)

سلام کی ابتداء کیسے ہوئی

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اپنی صورت پر فرمائی، آپ ساٹھ ہاتھ لمبے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو پیدا کرنے کے بعد فرمایا کہ فرشتوں کی فلاں بیٹھی ہوئی جماعت کے پاس جایئے اور انہیں سلام کیجئے اور ان کا جواب غور سے سنئے؛ کیوں کہ وہی جواب آپ کے لئے آپ کی اولاد کے لئے ہوگا، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام جب ان فرشتوں کے پاس پہونچے تو فرمایا: **السلام علیکم**، اس کے جواب میں

(۱) سنن ابوداؤد، حدیث نمبر: ۴۵۵۰۔ (۲) فتح الباری، حدیث نمبر: ۵۷۵۹۔

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر: ۲۵۷۷۱۔ ۲۵۷۷۲۔

فرشتوں نے کہا: **السلام علیک ورحمۃ اللہ**۔(۱)

مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

و ھذا اول مشروعیۃ السلام - (۲)

یہ مشروعیت سلام کی ابتداء ہے۔

سلام کرنا امت محمدیہ کی خصوصیت ہے

حضرت آدم علیہ السلام کے فرشتوں کو سلام کرنے کا جو واقعہ ابھی ذکر کیا گیا ہے، اس میں یہ جملہ ہے:

فَاسْتَمِعْ مَا يُحَيُّونَكَ، تَحِيَّتُكَ وَتَحِيَّةُ ذُرِّيَّتِك - (۳)

فرشتے جو جواب دیں ان کو غور سے سنئے؛ کیونکہ وہی جواب آپ کے لئے اور آپ کی اولاد کے لئے ہوگا۔

اس حدیث میں جو ذریت کا ذکر ہے، اس سے بعض حضرات نے مسلمان مراد لیا ہے۔(۴) اس صورت میں حدیث پاک کا مطلب یہ ہوگا کہ فرشتوں کا دیا ہوا جواب آپ کے لئے اور آپ ﷺ کی ذریت میں سے بعض حضرات یعنی مسلمانوں کے لئے تحیہ (سلام) ہوگا، ان حضرات کے موقف کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے ہوتی ہے جو ابن ماجہ (۵) اور الادب المفرد (۶) میں مذکور ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کا ارشاد نقل کرتی ہیں:

مَا حَسَدَتْكُمُ الْيَهُودُ عَلَى شَيْءٍ، مَا حَسَدَتْكُمْ عَلَى السَّلَامِ وَالتَّأْمِين - (۷)

یہودیوں نے تم لوگوں سے کسی چیز پر اتنا حسد نہیں کیا جتنا کہ انہوں نے سلام اور آمین کہنے پر حسد کیا۔

نیز طبرانی میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا منقول ہے:

(۱) بخاری، حدیث نمبر: ۵۷۵۹۔
(۲) التعلیق الصبیح ۶/۱۰۰۔
(۳) بخاری، حدیث نمبر: ۵۷۵۹۔
(۴) فتح الباری، حدیث نمبر: ۵۷۵۹۔
(۵) سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۸۴۶۔
(۶) الادب المفرد، حدیث نمبر: ۹۸۸۔
(۷) سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۸۵۶۔

إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ جَعَلَ السَّلَامَ تَحِيَّةً لِأُمَّتِنَا وأَمَانًا لِأَهْلِ ذِمَّتِنَا - (۱)

اللہ تعالی نے سلام کو ہماری امت کا تحیہ قرار دیا ہےاور ذمیوں کے واسطے ذریعہ امن ہے۔

سلام اللہ کا نام ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھےتو کہتے تھے:

السَّلاَمُ عَلَى اللّٰهِ قَبْلَ عِبَادِهِ، السَّلاَمُ عَلَى جِبْرِيلَ، السَّلاَمُ عَلَى مِيكَائِيلَ، السَّلاَمُ عَلَى فُلاَنٍ وَفُلاَنٍ - (۲)

بندوں کی طرف سے اللہ پر سلام ہو،حضرت جبرئیل پر سلام ہو،حضرت میکائیل پر سلام ہواور فلان فلان پر سلام ہو۔

نماز سے فارغ ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے،اور ارشاد فرمایا کہ اللہ ہی کا نام تو سلام ہے،توتم لوگوں کا **السلام علی اللہ** کہنا ایک لغو کلام ہوگا؛اس لئے جب تم تشہد کے لئے بیٹھا کروتو **التحیات الخ** پڑھا کرو (۳)اسی طرح طبرانی میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے،ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی نقل کیا گیا ہے:

إِنَّ السَّلاَمَ اسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللهِ وَضَعَهُ فِي الْأَرْضِ، فَأَفْشُوهُ فِيكُمْ - (۴)

سلام اللہ تعالی کے من جملہ ناموں میں سے ایک نام ہے، جسے اللہ تعالی نے اہل زمین کوعطا کیا ہے؛ لہذا اسے خوب عام کرو۔

اسی طرح حضرت مہاجر بن قنفذ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوا جب کہ آپ پیشاب کررہے تھے، میں نے اسی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا؛لیکن آپ

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی،حدیث نمبر:۷۳۹۵۔
(۲) بخاری،حدیث نمبر:۶۲۳۰۔
(۳) بخاری،حدیث نمبر:۶۲۳۰۔
(۴) المعجم الکبیر،حدیث نمبر:۱۰۳۹۱۔

ﷺ نے میرے سلام کا جواب وضو کرنے کے بعد دیا، پھر معذرت کرتے ہوئے فرمایا:

إِنِّي كَرِهْتُ أَنْ أَذْكُرَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ إِلَّا عَلَى طُهْرٍ أَوْ قَالَ: عَلَى طَهَارَةٍ ۔ (۱)

میں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ اللہ تعالی کا نام طہارت (وضو) کے بغیر لوں

قرآن پاک میں بھی جہاں اللہ تعالی کے ناموں کا ذکر آیا ہے ان میں السلام کو بھی شمار کیا گیا ہے۔(۲)

سلام نیکی میں اضافہ کرتا ہے

ایک مسلمان جب دوسرے مسلمان سے ملتا ہے، اور سلام کرتا ہے تو اس کی نیکی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، ایک مرتبہ آپ ﷺ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

سَلِّمْ عَلَى مَنْ لَقِيتَ مِنْ أُمَّتِي تَكْثُرْ حَسَنَاتُك ۔ (۳)

میری امت کے جس فرد سے بھی ملاقات ہو اسے سلام کیا کرو، اس سے تمہاری نیکی میں اضافہ ہوگا۔

سلام میں پہل کرنے والوں کی فضیلت

اچھے اور نیک کام میں پہل کرنا اسلام میں مطلوب ہے، سلام بھی ایک پسندیدہ عمل ہے، اس کے اندر پہل کرنے کی بڑی فضیلت آئی ہے، حضرت عبداللہ بن مطرف بن شخیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَا عَلَى الْأَرْضِ رَجُلٌ يَبْدَأُ آخَرَ بِالسَّلَامِ، إِلَّا كَانَ ذَلِكَ صَدَقَةً عَلَيْهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۔(۴)

اور حضرت زید بن وہب حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جو آدمی کسی جماعت کے پاس سے گذرے اور ان کو سلام کرے اور وہ حضرات اس کے سلام کا جواب دیں تو:

كَانَ لَهُ فَضْلُ دَرَجَةٍ عَلَيْهِمْ، لِأَنَّهُ أَذْكَرَهُمُ السَّلَامَ ۔(۵)

(۱) سنن ابوداؤد، حدیث نمبر: ۱۷۔ (۲) الحشر: ۲۳۔
(۳) مسند ابویعلی موصلی، حدیث نمبر: ۴۱۸۳۔ (۴) مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر: ۲۵۷۵۵۔
(۵) مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر: ۲۵۷۵۶۔

اس شخص کو ان لوگوں سے زیادہ ثواب ملے گا؛ کیونکہ وہ ان لوگوں کو سلام یا
دولانے کا ذریعہ بنا۔

اورحضرت ابو عاصم علیہ الرحمۃ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں:

الْبَادِئُ بِالسَّلَامِ يُرْبِي عَلَى صَاحِبِهِ فِي الْأَجْرِ- (۱)

سلام میں پہل کرنے والا اجر کے لحاظ سے اپنے ساتھی سے فوقیت رکھتا ہے

حضرت شریح علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

مَا الْتَقَى رَجُلَانِ قَطُّ، إِلَّا كَانَ أَوْلَاهُمَا بِاللَّهِ الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ - (۲)

دومسلمان جب آپس میں ملتے ہیں تو ان میں سے اللہ سے سب سے زیادہ
قریب وہ ہوتا ہے جو سلام کرنے میں پہل کرتا ہے۔

سلام میں پہل کرنے والا کبر سے بری

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جو سلام میں پہل کرتا ہے وہ کبر سے بری ہے، تکبر اس کے پاس پھٹک کر نہیں آسکتی ہے، امام بیہقی علیہ الرحمۃ نقل کرتے ہیں:

الْبَادِي بِالسَّلَامِ بَرِيءٌ مِنَ الْكِبْرِ۔(۳)

سلام میں پہل کرنے والا کبر سے بری ہے۔

سلام میں پہل کرنے والا قطع رحمی سے محفوظ

صلہ رحمی کی تاکید احادیث میں کثرت سے آئی ہے، اور قطع رحمی کرنے والوں پر غیر معمولی وعید بیان کی گئی ہے؛ لیکن جو شخص سلام کرنے میں پہل کیا کرے تو وہ قطع رحمی کرنے والوں کی صف سے نکل کر صلہ رحمی کرنے والوں کی جماعت میں داخل ہو جاتا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر:۲۵۷۵۷۔
(۲) مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر:۲۵۷۵۸۔
(۳) الآداب للبیہقی، حدیث نمبر:۲۰۶۔

الْبَادِئُ بِالسَّلَامِ بَرِيءٌ مِنَ الصِّرْمِ - (۱)

سلام میں پہل کرنے والا قطع رحمی سے محفوظ ہے

اسی لئے ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سلام کرنے میں عموماً پہل کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک یہودی چھپ کر بیٹھ گیا، جب حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے تو وہ سامنے آیا اوران کوسلام کیا، یہ بات ان کے معمول کے خلاف تھی؛اس لئے آپ رضی اللہ عنہ نے اس یہودی سے اس کا سبب دریافت کیا تواس نے عرض کیا کہ میں نے آپ کو کثرت سے سلام کرتے ہوئے دیکھا تو مجھے محسوس ہوا کہ اس میں کوئی بڑی فضیلت ہوگی؛اس لئے میں نے بھی اس فضیلت کوحاصل کرنے کی کوشش کی، حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے اس یہودی کی تصدیق فرمائی۔(۲)

سلام کرنے والے کوجنت کی بشارت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا:

مَنْ سَلَّمَ عَلَى عَشَرَةٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَكَأَنَّمَا أَعْتَقَ رَقَبَةً، فَإِنْ مَاتَ مِنْ يَوْمِهِ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ - (۳)

جوشخص دس مسلمانوں کو(ایک دن میں) سلام کرے(خواہ وہ یکجا ہوں یا الگ الگ طور پر ہوں) تو اسے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا، پھراگراسی دن اس شخص کا انتقال ہوجائے تواس کے لئے جنت واجب ہوجائے گی۔(اوراگر رات میں ایسا کیا تو بھی یہی حکم ہے۔)

افشائے سلام آپسی محبت کا ذریعہ

سلام کورواج دینا اور کثرت سے ایک دوسرے کوسلام کرنا آپسی محبت کا ذریعہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ تم ایمان کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہوسکو گے، اور کامل ایمان سے سرفرازی اس وقت تک نہ ہوسکے گی، جب کہ تمہارے آپسی تعلقات محبت کے دائرے میں نہ

(۱) حلیۃ الاولیاء۹/ ۲۵،ترجمہ:عبدالرحمن بن مہدی۔
(۲) المعجم الکبیر،حدیث نمبر:۷۳۵۹۔
(۳) الترغیب فی فضائل الاعمال وثواب ذالک لابن شاہین،حدیث نمبر:۴۸۹۔

آجائیں، پھر فرمایا:

أَوَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوهُ تَحَابَبْتُمْ؟ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُم ۔ (١)

کیا میں تمہیں ایسا عمل نہ بتاؤں کہ اگر تم اسے کرنے لگو گے تو تم میں محبت پیدا ہو جائے گی؟ (پھر فرمایا) آپس میں سلام عام کرو۔

افشائے سلام کا مطلب یہ ہے کہ سلام کو معاشرہ میں رائج کیا جائے؛ تاکہ یہ سنت عام ہو جائے (٢) اگر کسی معاشرہ میں اس کا چلن ہو جاتا ہے تو لوگوں کے اخلاق عمدہ ہو جاتے ہیں، تواضع کی صفت پیدا ہوتی ہے، ایک دوسرے کو حقیر سمجھنے کے جذبات پر روک لگتی ہے اور محبت والفت عام ہوتی ہے۔ (٣)

سلام باہمی تعلقات میں استحکام کا ذریعہ

خلیفہ ثانی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں ایسی ہیں، جن کو اختیار کرنے سے مسلمانوں کے باہمی تعلقات میں استحکام پیدا ہوتا ہے اور ایک مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے تعلق سے اخلاص ومحبت کے جذبات کو فروغ دیتا ہے: (١) ملاقات کے وقت سلام کرنے میں پہل کرنا۔ (٢) مسلمان کو اس نام کے ذریعہ مخاطب کرنا، جس کو وہ پسند کرتا ہے۔ (٣) جب وہ مجلس میں آئے تو اس کو (عزت واحترام) کے ساتھ جگہ دینا۔ (٤)

افشائے سلام جزو اسلام ہے

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے ایک مستقل باب باندھا ہے "**باب افشاء السلام من الاسلام**" کہ سلام کو عام کرنا اسلام کا ایک حصہ ہے، پھر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے ایک اثر کو پیش کیا ہے کہ

---

(١) مسلم شریف، حدیث نمبر: ٩٣۔
(٢) فتح الباری ١١/٢١۔
(٣) فتح الباری ١/١١٣۔
(٤) الزہد لابن مبارک، حدیث نمبر: ٣٥٢۔

جس میں یہ ذکر ہے کہ جس نے تین باتوں کو اپنے اندر جمع کرلیا تو اس نے اپنے اندر ایمان کو داخل کرلیا، ایک تو خود اپنی ذات سے انصاف کرنا شروع کردے، دوسرے یہ کہ بلا کسی تخصیص کے ہر مسلمان کو سلام کیا کرے، اور تیسرے یہ کہ تنگی وترشی کے باوجود راہ خدا میں خرچ کیا کرے۔(۱)

سلام نہ کرنے والا سب سے بڑا بخیل

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام کرنے میں بخل سے کام لینے والوں کو سب سے بڑا بخیل قرار دیا ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

أَبْخَلُ النَّاسِ مَنْ بَخِلَ بِالسَّلَامِ - (۲)

سب سے بڑا بخیل وہ شخص ہے جو سلام کرنے میں بخل سے کام لے۔

ان تاکیدی احکام کے باوجود ہمارا سلام سے پیچھے رہنا اور غفلت وسستی سے اس مبارک عمل کو انجام نہ دینا بڑے خسارے کی بات ہے، اس سنت کو زیادہ سے زیادہ معاشرہ میں رواج دینا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔

گفتگو سے پہلے سلام

جب کسی مسلمان سے ملے تو کسی قسم کی گفتگو سے پہلے سلام کرے، پھر گفتگو کرے بعض روایات میں یہ بھی صراحت ہے کہ جو سلام سے پہلے گفتگو کرنا چاہے تو اس کا جواب بھی مت دو، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں:

السَّلَامُ قَبْلَ الكَلَامِ - (۳)

سلام گفتگو شروع کرنے سے پہلے کرنا چاہئے۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں:

مَنْ بَدَأَ بِالْكَلَامِ قَبْلَ السَّلَامِ فَلَا تُجِيبُوهُ۔(۴)

---

(۱) بخاری: **باب افشاء السلام من الاسلام۔**
(۲) الادب المفرد، حدیث نمبر: ۱۰۱۵۔
(۳) سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۲۶۹۹۔
(۴) عمل الیوم واللیلة لابن السنی، حدیث نمبر: ۲۱۴۔

جو شخص سلام کرنے سے پہلے گفتگو کی شروعات کرے تو اس کا جواب نہ دو۔

سلام کرنے میں امتیاز نہ برتے

سلام شعائر اسلام میں سے ہے، اس کے ذریعہ تالیف قلب ہوتا ہے؛ اس لئے سلام دوست واجنبی سب کو کرنا چاہئے، دینی بھائی چارگی کا بھی یہی تقاضا ہے، شناسا وغیر متعارف کی تخصیص اچھی بات نہیں ہے۔(۱) نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جان پہچان کے لوگوں کو سلام کرنا اور اجنبی کو سلام نہ کرنا علامات قیامت میں سے ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک دیہاتی کی ملاقات ہوئی، ان کے ساتھ اور حضرات بھی تشریف فرما تھے، اس دیہاتی نے آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوعبد الرحمن ذکر کر کے سلام کیا، اس پر آپ رضی اللہ عنہ کو ہنسی آئی اور آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول کی بات واقعتا سچ ہے، آپ ﷺ کو میں نے ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کی علامت میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی شناسا کو سلام کرے اور اجنبی کو سلام کرنے سے کترائے، یہ شخص مجھے جانتا ہے؛ اس لئے اس نے خاص طور سے مجھے سلام کیا اور تم سب کو سلام نہیں کیا۔(۲)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ اسلام میں کونسا عمل بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کھانا کھلانا اور اجنبی وشناسا دونوں کو سلام کرنا۔(۳)

مجلس میں سے کسی کو خاص کر کے سلام کرنا

امام بخاری نے اپنی کتاب الادب المفرد میں باب باندھا ہے: باب من کرہ تسلیم الخاصۃ جن لوگوں نے اہل مجلس میں سے کسی کو خاص کر کے سلام کرنے کو ناپسند کیا ہے اور اس کے تحت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے کہ ایک شخص نے آپ کو مجمع میں سے خاص کر کے کہا: علیکم السلام یا أبا عبد الرحمن (ابوعبدالرحمن حضرت عبداللہ بن مسعود

(۱) فتح الباری، حدیث نمبر: ۵۷۶۷۔
(۲) المعجم الکبیر، حدیث نمبر: ۹۳۷۸۔
(۳) بخاری مع فتح الباری، حدیث نمبر: ۱۱۔

کی کنیت ہے) آپ نے فرمایا: اللہ نے سچ فرمایا اور اس کے رسول نے ٹھیک پہنچایا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

بين يدي الساعة تسليم الخاصة-(۱)

قرب قیامت میں سلام میں لوگوں کی تخصیص کی جائے گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ مجلس میں ایک یا دو آدمیوں کو خاص کر کے سلام کرنا مکروہ ہے؛ بلکہ سلام کو عام رکھنا چاہیے۔

مرقاۃ المفاتیح اور حاشیۃ الطیبی میں ہے:

اگر کوئی شخص کچھ لوگوں سے ملے اور چند لوگوں کو سلام کرے اور کچھ لوگوں کو نہ کرے تو یہ مکروہ ہے؛ کیوں کہ سلام کا مقصد الفت وموانست ومحبت کو رواج دینا ہے اور مذکورہ صورت میں جبکہ کچھ لوگوں کو سلام نہیں کیا گیا تو یہ آپسی نفرت ودشمنی کا سبب ہونے کے ساتھ ساتھ، فتنہ وفساد کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتا ہے۔(۲)

سلام کرنا کیسا ہے؟

بخاری شریف کی روایت ہے کہ اللہ تعالی نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان سے فرمایا کہ فرشتوں کی جماعت بیٹھی ہوئی ہے ان کو سلام کیجئے اور وہ حضرات جو جواب دیں اسے غور سے سنئے، وہی جواب آپ کے لئے اور آپ کی اولاد کے لئے ہوگا، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے ان کو ''**السلام علیکم**'' کہا تو فرشتوں نے جواب میں ''**السلام علیکم ورحمۃ اللہ**'' کہا۔(۳) حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

اذْهَبْ فَسَلِّمْ عَلَى أُولَئِكَ مِنَ المَلاَئِكَةِ-(۴)

(۱) الادب المفرد، حدیث نمبر:۱۰۴۹۔

(۲) حاشیۃ الطیبی:۹/۸۔

(۳) بخاری، حدیث نمبر:۵۷۵۹۔

(۴) بخاری، حدیث نمبر:۳۳۲۶۔

جایئے اوران حضرات فرشتے کوسلام کیجئے۔

اس حدیث کی وجہ سے بعض حضرات نے سلام کرنے کوواجب قرار دیا ہے؛ کیونکہ یہ امر ہے اورامر وجوب کے لئے آتا ہے؛ لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ استدلال محل تامل ہے؛ کیونکہ یہ تو ایک خاص واقعہ ہے، اس سے عام ضابطہ نکالنا صحیح نہیں ہے۔(۱) صحیح بات یہ ہے کہ سلام کرنا سنت ہے، چنانچہ ملاعلی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَاعْلَمْ أَنَّ ابْتِدَاءَ السَّلَامِ سُنَّةٌ مُسْتَحَبَّةٌ لَيْسَتْ بِوَاجِبَةٍ (۲)

یہ بات اچھی طرح معلوم ہونا چاہئے کہ سلام کرنا سنت ہے ،محبوب عمل ہے، واجب نہیں ہے۔

بلکہ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے سنت ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔(۳) ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی اورامام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا یہی مسلک ہے۔(۴) احناف کا بھی یہی مسلک ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ نے شرح شرعۃ الاسلام کے حوالے سے لکھا ہے کہ سلام کرنا سنت ہے۔(۵) اور دلیل سے بھی یہی موقف راجح ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں، ان میں سے ایک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

إِذَا لَقِيتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْه - (۶)

جب کسی مسلمان سے ملاقات ہوتو اسے سلام کرو۔

ظاہر ہے کہ اس کے علاوہ جن چھ امور کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذکر فرمایا ہے ان میں سے کوئی واجب نہیں ہے؛ بلکہ صرف سنت ہے؛ اس لئے سلام کرنا بھی سنت ہوگا۔

---

(۱) بخاری مع فتح الباری، حدیث نمبر:۵۷۵۹۔
(۲) مرقاۃ المفاتیح، حدیث نمبر:۴۶۴۸۔
(۳) فتح الباری، حدیث نمبر:۵۷۵۹۔
(۴) الموسوعۃ الفقہیہ ۲۵/۱۶۱۔
(۵) شامی ۶/ ۴۱۳۔
(۶) مسلم شریف، حدیث نمبر:۲۱۶۲۔

سلام کے الفاظ کیا ہوں؟

سلام ''**السلام علیکم**'' کے ذریعہ کہنا چاہئے، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''**السلام علیکم**'' کہا، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسے دس نیکیاں ملیں۔(۱) البتہ اس پر اضافہ **ورحمة الله وبركاته** کا بہتر ہے، ایک صاحب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام، **السلام عليكم ورحمة الله وبركاته** کے ذریعہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسے تیس نیکیاں ملیں۔ (۲) علامہ نووی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ سلام کرنے والے کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ **السلام عليكم ورحمة الله وبركاته** کے ذریعہ سلام کرے، جسے سلام کیا جارہا ہو وہ اکیلا ہو یا پوری جماعت ہو بہر حال اسے جمع کے صیغہ کے ساتھ ہی سلام کرنا چاہئے۔(۳) یہی رائے علامہ شامی علیہ الرحمہ کی بھی ہے۔(۴) کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب ایک صحابی نے سلام کیا تھا تو آپ کے تن تنہا ہونے کے باوجود انہوں نے جمع کا صیغہ استعمال کیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر نکیر نہیں فرمائی؛ بلکہ ثواب کی خوشخبری سنائی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقریر سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جمع کے صیغے سے سلام کیا جائے، خواہ جسے سلام کیا جارہا ہو وہ اکیلا ہی کیوں نہ ہو۔(۵)

نیز حضرت معاویہ بن قرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمارے والد نے ہمیں یہ وصیت کی کہ جب تمہاری ملاقات کسی آدمی سے ہو تو ان کو **السلام علیکم** کے ذریعہ سلام کیا کرو۔(۶) مسلم بن یسار علیہ الرحمہ کو جب **السلام علیک** کے ذریعہ سلام کیا گیا تو انہوں نے سن کر ارشاد فرمایا کہ **السلام علیکم** کے ذریعہ سلام کیا کرو؛ کیوں کہ ہر انسان کے ساتھ ملائکہ بھی ہوتے ہیں۔(۷) ابن سیرین علیہ الرحمہ ابن ہبیرہ علیہ الرحمہ کو **السلام علیکم** کہنے پر اعتراض ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا جاتا تھا۔(۸)

---

(۱) سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۲۶۱۳۔
(۲) حوالہ سابق۔
(۳) الاذکار ۱/ ۲۴۳۔
(۴) شامی ۶/ ۴۱۳۔
(۵) التعلیق الصبیح ۶/ ۱۰۶۔
(۶) حوالہ سابق، حدیث نمبر: ۲۶۱۷۔
(۷) مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر: ۲۶۲۱۸۔
(۸) مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر: ۲۶۲۱۲۔

سلام صاف الفاظ میں کیا جائے

جب سلام کیا جائے تو صاف الفاظ سے سلام کرنا چاہیے، الفاظ بگاڑ کر مسخ کر کے سلام نہیں کرنا چاہیے، بعض لوگ اس طرح سلام کرتے ہیں کہ پوری طرح سمجھ میں نہیں آتا کہ سامنے والا کیا کہا ہے؟ اُسے پوچھنا پڑتا ہے کہ آپ نے کیا کہا؟ اس لئے اچھی طرح واضح کر کے السلام علیکم کہنا چاہیے، سلام اس طرح نہیں کرنا چاہئے کہ سامنے والے کو سمجھ میں نہ آئے۔

بوقت ملاقات ''السلام علیکم'' ہی کیوں؟

اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں عربوں میں سلام ودعا کے لیے اُنعم صباحا یا صبحک اللہ بخیر، مساک اللہ بخیر جیسے الفاظ رائج تھے، یہ اور دوسری قوموں میں جو دعا وسلام کے الفاظ تھے وہ سب وقتی اور عارضی دعا پر مشتمل تھے اور سب کا مقصود، حیات اور بقاءِ حیات کی دعا تھی؛ اسی لیے ایسی دعاؤں کو تحیہ کہا گیا؛ کیوں کہ تحیہ بمعنی حیات وزندگی سے مشتق ہے اور موجودہ دور میں گڈ نائٹ اور گڈ مارننگ وغیرہ بھی وقتی دعا کے لیے ہیں، جامعیت اِن میں مفقود ہے؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہلِ اسلام کے لیے جب تحیہ کا انتخاب کیا تو السلام علیکم کا انتخاب کیا جو تمام تحیات وادعیہ سے زیادہ جامع اور پائیدار ہے؛ کیوں کہ سلام کا مطلب سلامتی کی دعا ہے اور سلامتی ایک ایسی چیز ہے کہ اُس کے بغیر حیات اور بقاء حیات اور زندگی کی ساری تگ ودو بیکار ہے، سلامتی ہے تو زندگی خوش گوار ہے؛ کیوں کہ انسانی زندگی کا بنیادی مقصد دو چیزیں ہیں: شرور ومضرت سے سلامتی اور ہر طرح کی منفعت اور خیر وبھلائی کا حصول اور اِن دونوں میں شرور سے سلامتی وحفاظت اصل ہے، قاعدہ ہے دفعِ مضرت، جلبِ منفعت پر مُقدَّم ہے؛ یہی وجہ ہے کہ انسان کی اولین ترجیح، سلامتی ہوتی ہے اور انسان ہی کیا، ہر جاندار پہلے سلامتی کی فکر کرتا ہے پھر خیر وبھلائی کے لیے کوشاں ہوتا ہے، علاوہ ازیں اگر کسی کو سلامتی حاصل ہوگئی تو ضمناً خیر ومنفعت بھی حاصل ہوجائے گی اور اگر سلامتی حاصل نہیں ہوئی تو ہلاکت وبربادی اور نقصان وضعیفی مُقدَّر رہوگی؛ الغرض السلام علیکم سلامتی کی دعا، ہر طرح کی برائیوں سے نجات اور ہر قسم کی بھلائیوں کے حصول پر مشتمل ہے اور یہ وقتی اور عارضی نہیں ہے؛ بلکہ ہمیشہ کے لیے ہے؛ اِسی لیے جملہ اسمیہ کا انتخاب کیا گیا ہے؛ کیوں کہ عربی قواعد میں

جملہ اسمیہ، دوام واستمرار کے لیے ہوتا ہے، ایسی حکمت اور ایسے رموز واشارات کیا کسی انسانی دعا وسلام میں بھی ہیں؟ پھر سونے پر سہاگہ یہ ہوا کہ السلام ''اللہ'' کا نام بھی ہے تو دعائے سلامتی کے ساتھ ساتھ ذکرِ خداوندی بھی ہے۔(۱)

السلام علیکم کے ساتھ ''ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کے اضافہ کی حکمت

السلام علیکم کے ساتھ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کا اضافہ بیس نیکیوں کی زیادتی کا سبب ہے، اس طرح السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پر کل تیس نیکیاں ملتی ہیں، یہ حدیث سے ثابت ہے، ایک مسلمان کے لیے اتنی ہی بات کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے؛ تاہم اِس کی کچھ حکمتیں ابن قیم نے بیان کی ہیں، جن کا خلاصہ درج ذیل ہے، وہ فرماتے ہیں:

> انسان کے لیے اِس دنیا میں سکون واطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرنے اور اس سے صحیح معنوں میں لطف اندوز ہونے کے لیے تین چیزیں ناگزیر ہیں، اِن کے بغیر یا ان میں سے کسی ایک کے بغیر زندگی سے مکمل فائدہ اٹھانا بہت مشکل ہے، وہ تین باتیں یہ ہیں: (۱) انسان کا تکالیف، شرور وفتن اور ہر ایسی چیز سے محفوظ ہونا جو انسانی زندگی اور عیش وآرام میں خلل ڈالنے والی ہوں، (۲) دوسری چیز یہ ہے کہ انسان کو ہر طرح کی خیر وبھلائی اور منفعت ومسرت حاصل ہو، (۳) اور وہ خیر وبھلائی اور نفع پائیدار ہو، وقتی اور عارضی نہ ہو، جب یہ تینوں کسی انسان کی زندگی میں موجود ہوں تو اُس کی دنیا، دنیا نہیں؛ بلکہ جنت کا نمونہ ہے۔
>
> اسلامی تحیہ ان تینوں امور پر مشتمل ہے، السلام علیکم سے شرور وفتن سے حفاظت کی جانب اشارہ ہے، ورحمۃ اللہ خیر وبھلائی کے حصول سے کنایہ ہے اور ''وبرکاتہ'' حصولِ خیر کی پائیداری سے عبارت ہے؛ کیوں کہ برکت کا مفہوم کثرتِ خیر اور اس میں پائیداری ہے، اِس چھوٹے سے جملے میں اللہ اور اُس کے رسول نے گویا پوری دنیا کی بھلائی سمیٹ دی ہے، ضرورت ہے

(۱) بدائع الفوائد ۲/ ۱۴۵۔

کہ سلام کے وقت اِن معانی کا استحضار کر کے ہم مسلمانوں کو کریں۔(۱)

ایک شبہ اور اس کا جواب

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اسلامی تحیہ میں مذکورہ تینوں حکمتیں مُضمر ہیں تو کیا یہ ضروری ہے کہ جب بھی کسی کو سلام کیا جائے تو سلام کے سارے کلمات: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا جائے؟ جب کہ سلام کا ادنیٰ درجہ ''السلام علیکم'' ہے اور اس کے ذریعہ بھی سلام کی سنت ادا ہوجاتی ہے؛ حالانکہ جس نے صرف السلام علیکم کہا اُس نے مکمل دعا نہیں دی، صرف سلامتیٔ شر کی دعا دی ہے، اِسی طرح جس نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا اُس نے بھی صرف سلامتی اور بھلائی کی دعا دی، اِس سے بھی دعا کی تکمیل نہیں ہوئی۔

جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ سلام کرنے والا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے ذریعہ سلام کرے تو یہ اعلیٰ درجے کا سلام ہے؛ کیوں کہ یہ اپنے معانی پر مکمل طور سے دلالت کرتے ہیں، جسے منطق کی اِصطلاح میں دلالت مطابقی کہہ سکتے ہیں اور اگر اُس نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا تو اگر چہ الفاظ کم ہیں؛ لیکن معانی مکمل ہیں؛ کیوں کہ سلام اور رحمت، برکت کے معنی کو بھی شامل ہیں، اسے منطق کی اِصطلاح میں دلالت تضمنی کہہ سکتے ہیں اور اگر اُس نے صرف السلام علیکم کہا تو اس صورت میں کلمات اگر چہ مزید کم ہو گئے؛ لیکن یہاں بھی رحمت وبرکت، سلام کے مفہوم میں داخل ہیں؛ کیوں کہ رحمت وبرکت، سلامتی کے لیے لازم ہیں، جب سلام ثابت ہوگا تو اُس کے لازمی مفاہیم رحمت وبرکت بھی ثابت ہوں گے؛ اس لئے کہ سلام کے مفہوم میں اگر رحمت وبرکت داخل نہ ہوں تو یہ سلام، سلام نہیں رہ جائے گا، اسے منطق کی اِصطلاح میں دلالت التزامی کہہ سکتے ہیں؛ لہٰذا سلام السلام علیکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے ذریعہ بھی کیا جا سکتا ہے، تینوں صورتوں میں ساری حکمتیں ملحوظ ہیں۔(۲)

رحمت وبرکت کے ساتھ اللہ کا ذکر کیوں؟

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ میں رحمت اور برکت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی

(۱) خلاصہ از بدائع الفوائد ۲/ ۱۷۸۔ (۲) بدائع الفوائد ۲/ ۱۷۸۔

ہے اور سلام کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی گئی ہے، اِس کی کیا حکمت ہے؟ اس میں حکمت یہ ہے کہ سلام تو خود اللہ تعالیٰ کا نام ہے، اِس صفتی نام کی اضافت ذاتی نام کی طرف کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اضافت کے بغیر بھی اللہ کی طرف سے ہی سلامتی سمجھی جائے گی؛ لیکن رحمت وبرکت کی اضافت اگر اللہ تعالیٰ کی طرف نہ کی جائے تو معلوم نہیں ہو سکے گا کہ کس کی رحمت وبرکت طلب کی جارہی ہے؛ اس لئے رحمت وبرکت کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے، الغرض سلام کرتے وقت السلام بلا اضافت اور رحمت وبرکت اضافت کے ساتھ اِسی حکمت کے پیشِ نظر ذکر کیا جاتا ہے۔(۱)

سلام کو واحد لانے کی حکمت

السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ میں سلام کو مفرد استعمال کیا گیا ہے، اِس میں کیا حکمت ہے؟ اصل حکمت تو خداوند قدوس کو ہی معلوم ہے؛ تاہم ابن قیم نے اِس کی حکمت اپنے انداز میں یہ بتائی ہے کہ لفظ سلام کا استعمال مفرد اس لئے ہوا ہے کہ سلام یا تو مصدرِ محض ہے یا اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے؛ اگر مصدر محض مانیں تو مصدر شي ءواحد کے درجے میں ہوتا ہے؛ اس لئے مصدر کی جمع نہیں آتی ہے اور اگر سلام اللہ کا نام ہے تو جمع لانا محال ہوگا؛ کیوں کہ خدا جیسے اپنی ذات میں تنہا ہے، صفات میں بھی تنہا ہے؛ الغرض دونوں صورتوں میں سلام کی جمع نہیں لاسکتے؛ اس لئے اسے مفرد ذکر کیا گیا ہے، تشہد میں پڑھی جانے والی التحیات میں السلام علیک أیہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ہے، یہاں سلام کو واحد ذکر کیا گیا ہے۔(۲)

رحمۃ کو واحد لانے کی حکمت

السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ میں رحمت کو مفرد لایا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مصدر ہے اور مصدر کی جمع نہیں آتی ہے اور اِس کے اخیر میں گول ''ۃ'' تحدید اور وحدت کے لیے نہیں ہے؛ یہی وجہ ہے کہ اس کی جمع رحمات نہیں آتی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ بعض الفاظ ایسے ہوتے ہیں کہ اگر اُن کی جمع استعمال کریں تو ان کے معانی مفرد کے مقابلہ میں ناقص ہو

---

(۱) بدائع الفوائد ۲/۱۸۱۔ (۲) بدائع الفوائد ۲/۱۸۲۔

جاتے ہیں؛ کیوں کہ جمع تحدید اور تقیید پر دلالت کرتی ہے، جب کہ مفرد بغیر تحدید وتقیید کے مسمی اور ذات پر دلالت کرتا ہے؛لہذا ایسی جگہوں میں مفرد کا استعمال، معنی ومفہوم کے اعتبار سے جمع سے زیادہ بہتر ہوتا ہے، رحمت انہی الفاظ میں سے ہے کہ اس کا استعمال جب مفرد کی صورت میں کیا جاتا ہے تو اپنے معانی پر اس کی دلالت، جمع کے مقابلہ میں زیادہ عام وتام ہوتی ہے، علامہ ابن قیم نے اپنے اس موقف کو مدلل کرنے کے لئے کئی مثالیں قرآنی آیات سے پیش کی ہیں، جو لائق دید ہیں، بہر حال ان وجوہ سے سلام کرتے وقت رحمۃ کو واحد ذکر کیا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: رَحْمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہُ عَلَیْکُمْ أَہْلَ الْبَیْتِ۔(۱) یہاں رحمۃ واحد مستعمل ہے، اسی طرح تشہد میں پڑھی جانے والی التحیات میں السلام علیک أیہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ہے، یہاں بھی رحمۃ واحد ہے۔(۲)

برکات کو جمع لانے کی حکمت

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ میں برکات کو جمع لایا گیا ہے تو اِس کی حکمت یہ ہے کہ ''وبرکاتہ'' سے خیر وبھلائی کی کثرت اور منفعت کی پائیداری کی جانب اشارہ ہے، یعنی خدا تعالیٰ سے ایسی برکت کی دعا کی جارہی ہے کہ اس کا ایک فرد ختم ہوجائے تو فوری دوسرا فرد اُس کی جگہ لے لے اور یہ سلسلہ چلتا رہے، رکے نہیں؛ بلکہ برکت کی بارش برستی رہے؛ اس لئے یہاں جمع کا استعمال قرینِ قیاس ہے، قرآن پاک سے بھی اِس کی تائید ہوتی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: رَحْمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہُ عَلَیْکُمْ أَہْلَ الْبَیْتِ۔(۳) یہاں برکات جمع مستعمل ہے، اسی طرح تشہد میں پڑھی جانے والی التحیات میں السلام علیک أیہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ہے، یہاں بھی برکات جمع ہے۔(۴)

السلام کو پہلے ذکر کرنے کی وجہ

علماء نے اس کی کئی وجہیں ذکر کی ہیں، مثلا:

(۱) سلام کرتے وقت ''السلام علیکم'' کہا جاتا ہے اور سلام کے جواب میں

(۱) ہود:۷۲۔ (۲) بدائع الفوائد ۲/۱۸۲۔
(۳) ہود:۷۲۔ (۴) بدائع الفوائد ۲/۱۸۳

''و علیکم السلام'' کہا جاتا ہے، علامہ رازی کہتے ہیں: یہ اچھی ترتیب ہے، اِس ترتیب کے مطابق سلام کی ابتداء اللہ کے ذکر سے ہوتا ہے اوراس کا اختتام بھی اللہ کے ذکر پر ہوتا ہے اور یہ ترتیب اللہ کے ارشاد: ہو الأول والآخر (۱) کے مطابق ہے؛ علاوہ ازیں جب کسی کام کی ابتداء اور انتہا دونوں ذکرِ خداوندی سے ہو تو اُس کی برکت سے دونوں کے درمیان طے ہونے والے امور کے بارے یہ توقع ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے قبولیت سے نوازیں گے۔(۲)

(۲) آغاز سلام اور جواب سلام میں فرق کرنے کے لیے یہ ترتیب اختیار کی گئی ہے؛ کیوں کہ سلام کرنے والے نے جب السلام علیکم کہا اور جواب دینے والا بھی السلام علیکم کہا تو یہ پتہ نہیں چلے گا کہ سلام کس نے کیا اور جواب کس نے دیا، خاص طور پر اُس وقت جب کہ سلام کا جواب متصلاً اور بغیر وقفہ کے دیا جائے، سلام کرنے والے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ سامنے والا اُس کے سلام کا جواب دے، یہ مقصد نہیں ہوتا ہے کہ وہ بھی سلام کے جواب میں اسی طرح سلام سے آغاز کرے جیسے اُس نے کیا ہے اور یہ مقصد اُسی وقت حاصل ہوگا جب کہ سلام اور جوابِ سلام میں فرق کیا جائے، غالباً یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علیک السلام کہہ کر سلام کرنے والے صحابی کو اس طرح سلام کرنے سے منع کیا تھا۔(۳)

(۳) سلام کرنے والے کے پیشِ نظر اپنے مسلمان بھائی کی سلامتی ہوتی ہے اور وہ اسے سلامتی کی دعا دیتا ہے؛ اس لئے سلام کرتے وقت السلام کو مقدم کیا گیا اور جواب دینے والا بھی وعلیکم السلام کہہ کر سلام کرنے والے کی سلامتی وحفاظت کا خواہاں ہوتا ہے اور وہ یہ چاہتا ہے کہ جب سلام والے نے مجھے سلامتی کی دعا دی ہے تو میرا بھی اخلاقی اور شرعی فریضہ بنتا ہے کہ اُسے سلامتی کی دعا دوں؛ چناں چہ اِس جذبے کے اظہار کے لیے وہ ''وعلیکم'' کو مقدم کرکے گویا سلام کرنے والے کا نام پہلے لیتا ہے کہ میں بھی آپ کے لیے شرور وفتن سے سلامتی اور حفاظت کا مُتَمَنِّی ہوں۔(۴)

(۱) الحدید:۳۔
(۲) التفسیر الکبیر ۱۰/ ۱۶۳-۱۶۴۔
(۳) بدائع الفوائد ۲/ ۱۵۲۔
(۴) بدائع الفوائد ۲/ ۱۵۳۔

فرشتوں کا سلام

فرشتوں کا سلام بھی ''**السلام علیکم**'' ہے، جیسا کہ بخاری شریف کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد فرشتوں کو سلام کرنے کا حکم دیا تھا تو جن الفاظ سے حضرت آدم علیہ السلام نے سلام کیا اور جو جواب فرشتوں نے دیا تھا اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ''**السلام علیکم**'' کے ذریعہ سلام کرنا چاہئے۔(۱)

اہل جنت کا سلام

اہل جنت کا سلام بھی جنت میں ''**السلام علیکم**'' کے ذریعہ ہوگا، علامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت کرتے ہیں کہ جب تم اپنے گھر میں داخل ہوا کرو تو اہل خانہ کو سلام کرو، یہ درحقیقت اللہ تعالی کی طرف سے مبارکبادی ہے؛ کیونکہ سلام اللہ تعالی کا نام ہے اور آگے یہ جملہ بھی ہے:

وَهُوَ تَحِيَّةُ أَهْلِ الْجَنَّةِ -(۲)

اور یہی اہل جنت کا سلام بھی ہوگا۔

السلام علیک کہنا

سلام کرتے وقت السلام علیک کہنا بھی درست ہے، اگر چہ افضل نہیں ہے، مگر سلام کا ثواب حاصل ہوجائے گا۔(۳) علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان سے بھی اس کا جواز معلوم ہوتا ہے۔(۴) حدیث میں ہے کہ جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علیک السلام کے ذریعہ سلام کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نکیر فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ سلام کرتے وقت **السلام علیک** کہا کرو۔(۵)

---

(۱) بخاری، حدیث نمبر: ۶۲۲۷۔
(۲) شعب الایمان، حدیث نمبر: ۸۴۴۹۔
(۳) الاذکار ۱/ ۲۴۴۔
(۴) شامی ۶/ ۴۱۳۔
(۵) سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۱۹۱۵۰، المعجم الکبیر، حدیث نمبر: ۶۲۶۹۔

سلام علیک کہنا

بغیر الف ولام کے سلام علیک کہنا بھی درست ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی اپنے خطوط اور ملاقات کے وقت **سلام علیک** کا استعمال کیا ہے اور اگر کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو **سلام علیک** کے ذریعہ سلام کیا ہے تو اس پر نکیر بھی نہیں فرمائی ہے؛ اسی لئے علماء کا کہنا ہے کہ اگر **سلام علیک** کے ذریعہ سلام کیا جائے تو یہ بھی درست ہے(۱)

سلام علیکم کہنا

الف لام کے بغیر سلام علیکم کہنا بھی درست ہے، قرآن پاک میں مومنین کی چند صفات ذکر کرنے کے بعد یہ کہا گیا ہے کہ ان کو اللہ تعالی جنت عدن میں جگہ عنایت فرمائے گا، اس جنت میں فرشتے ہر دروازے سے داخل ہوں گے اور جنتی کو سلام کریں گے، فرشتوں کا یہ سلام سلام علیکم کے ذریعہ ہوگا، آیت باری تعالی ہے:

وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ ، سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ۔(۲)

اور (ان کے استقبال کے لیے) فرشتے ان کے پاس ہر دروازے سے (یہ کہتے ہوئے) داخل ہوں گے کہ تم نے (دنیا میں) جو صبر سے کام لیا تھا، اس کی بدولت اب تم پر سلامتی ہی سلامتی نازل ہوگی اور (تمہارے) اصلی وطن میں یہ تمہارا بہترین انجام ہے۔

اسی طرح جو فرشتے موت سے پہلے مومنین کو جنت کی خوشخبری سناتے ہیں، وہ بھی مومنین کو **سلام علیکم** کے ذریعہ سلام کرتے ہیں۔(۳) ان ہی نصوص کے پیش نظر حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ الف لام کے بغیر بھی کسی نے **سلام علیکم** کہا تو کافی ہے۔(۴) حضرت

---

(۱) الاذکار للنووی، ص: ۲۴۴۔
(۲) الرعد: ۲۳، ۲۴۔
(۳) النحل: ۳۲۔
(۴) فتح الباری، حدیث نمبر: ۵۷۵۹۔

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ولیمہ ہوا، گوشت اور روٹی کا انتظام کیا گیا تھا، صحابہ آتے اور کھانا کھا کر رخصت ہوجاتے تھے؛ لیکن دو صاحب آپس میں گفتگو کرتے ہوئے بیٹھے رہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دوران دیگر ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے گئے اوران کو **سلام علیکم** کے ذریعہ سلام کیا (۱) اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تین صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان میں سے پہلے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو **سلام علیکم** کے ذریعہ سلام کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب **وعلیکم ورحمة اللّٰہ** کے ذریعہ دیا ۔(۲) اگر **سلام علیکم** کے ذریعہ سلام کرنا ممنوع ہوتا ہے تو خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ کرتے اور جس صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس لفظ سے سلام کیا کم از کم اس پر نکیر فرماتے؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا نہیں کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کے ذریعہ بھی سلام کیا جاسکتا ہے۔

علیک السلام

سلام کرنا "**علیک السلام**" کے ذریعہ درست ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں علماء کی رائیں مختلف ہیں، اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابو جری ہجیمی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اورانہوں نے آپ کو "**علیک السلام یارسول اللّٰہ**" کے ذریعہ سلام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر نکیر کرتے ہوئے فرمایا:

لَا تَقُلْ:عَلَيْكَ السَّلَامُ، فَإِنَّ عَلَيْكَ السَّلَامُ تَحِيَّةُ الْمَوْتَى - (۳)

علیک السلام کے ذریعہ سلام نہ کیا کرو؛ کیونکہ اس لفظ سے مردہ کو سلام کیا جاتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح سے سلام کرنے کو ناپسند فرمایا۔(۴) اسی

(۱) مسلم شریف، حدیث نمبر:۲۵۶۵۔
(۲) المعجم الکبیر الطبرانی، حدیث نمبر:۱۱۸۳۸۔
(۳) مصنف بن ابی شیبہ، حدیث نمبر:۲۵۷۰۸۔
(۴) حوالہ سابق، حدیث نمبر:۲۵۷۰۹۔

لئے قاضی عیاض علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ **علیک السلام** کے ذریعہ سلام کرنا مکروہ ہے۔(۱) اور علامہ نووی علیہ الرحمہ نے ابوالحسن واحدی اور امام الحرمین رحمہما اللہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس طرح سلام کرنا اگرچہ رائج طریقہ کے خلاف ہے؛ لیکن یہ بھی سلام شمار ہوگا اور اس کا جواب دینا بھی ضروری ہوگا۔(۲) یہی بات علامہ نووی علیہ الرحمہ کے یہاں بھی راجح ہے۔(۳)

ابو جری ہجیمی رضی اللہ عنہ کی حدیث کا صحیح محمل

حضرت ابو جری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ **علیک السلام** مردوں کا سلام ہے، جبکہ مسلم شریف میں ایک حدیث حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب قبرستان تشریف لے گئے تو مردوں کو **علیک السلام** کے ذریعہ سلام کیا۔(۴) اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جب قبرستان جاؤں تو مردوں کو کیسے سلام کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قُولِي: السَّلَامُ عَلَى أَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ الخ۔ (۵)

تم **السلام علی اھل الدیار من المومنین والمسلمین** کہہ کر سلام کیا کرو۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ **السلام علیکم** کے ذریعہ مردوں کو سلام کیا جاسکتا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی انہی احادیث کی بنا پر علامہ خطابی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ زندوں اور مردوں کے سلام میں کوئی فرق نہیں ہے۔(۶) اور ابن عربی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ابو جری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو ممانعت ہے وہ ان لوگوں کے واسطے ہے جو **علیک السلام**

---

(۱) فتح الباری، حدیث نمبر:۵۷۵۹۔
(۲) الاذکار ا/۲۴۹۔
(۳) حوالہ سابق۔
(۴) مسلم شریف، حدیث نمبر:۳۶۷۔
(۵) مسلم شریف، حدیث نمبر:۹۷۴۔
(۶) فتح الباری، حدیث نمبر:۵۷۵۹۔

کومردوں کا سلام مانتے ہیں اور زندوں کیلئے بطور بدفالی کے استعمال کرتے ہیں، عموماً یہی طریقہ زمانہ جاہلیت میں تھا؛ لیکن اسلام نے اس تصور کو ختم کر دیا؛ لہذا زندوں اور مردوں کے سلام میں اب کوئی فرق نہیں ہے۔(۱) اور علامہ ابن قیم علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ اصل تو یہی ہے کہ زندوں اور مردوں کے سلام میں کوئی فرق نہیں ہے، جیسا کہ ابوہریرہ و عائشہ رضی اللہ عنہما کی روایت سے معلوم ہوتا ہے؛ البتہ ابو جری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے جو ممانعت معلوم ہو رہی ہے وہ درحقیقت ممانعت شرعی نہیں ہے کہ اس طرح سے سلام کرنا درست نہیں ہے؛ بلکہ آپ ﷺ نے ان کو واقعہ کی اطلاع دی تھی کہ شعراء وغیرہ اس لفظ سے مردوں کو سلام کرتے ہیں، جیسا کہ ایک شاعر نے کہا تھا:

عَلَيْكَ سَلَامُ اللّٰهِ قيس بن عاصم
وَرَحْمَتُهُ مَا شَاءَ أَنْ يَتَرَحَّمَا

فَمَا كَانَ قَيْسٌ هُلْكُهُ هُلْكَ وَاحِدٍ
وَلَكِنَّهُ بُنْيَانُ قَوْمٍ تَهَدَّمَا(۲)

اے قیس بن عاصم! تم پر اللہ کا سلام نازل ہو اور اس کی رحمت بھی اترتی رہے جب وہ تم پر رحمت نازل کرنا چاہے۔ قیس کا مرجانا ایک آدمی کا مرجانا نہیں ہے؛ بلکہ پوری قوم کی بنیاد ڈھ گئی ہے۔

اور سب سے بہتر بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ ابوجری رضی اللہ عنہ والی حدیث کو اس بات پر محمول کرلیا جائے کہ **علیک السلام** کے ذریعہ سلام کرنا بہتر نہیں ہے، اگرچہ جائز ہے؛ البتہ افضل یہ ہے کہ اس کے بجائے معروف ورائج طریقہ کے مطابق سلام کیا جائے۔(۳)

علیکم السلام کے ذریعہ سلام کرنا

سلام **علیکم السلام** کے ذریعہ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں بھی علماء کا

(۱) فتح الباری، حدیث نمبر:۵۷۵۹۔
(۲) زادالمعاد ۲/۳۸۴۔
(۳) فتح الباری، حدیث نمبر:۵۷۵۹۔

اختلاف پایا جاتا ہے،بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس لفظ سے سلام کرنے سے سلام کرنا معتبر نہ ہوگا؛ کیونکہ یہ لفظ سلام کیلئے وضع نہیں ہوا ہے، بلکہ سلام کا جواب دینے کیلئے وضع کیا گیا ہے اور امام غزالی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس لفظ سے سلام کرنا مکروہ ہے۔

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اس لفظ سے سلام کرنے سے سلام ادا ہوجائے گا؛ کیونکہ مفہوم سلام تو اس لفظ سے بھی ادا ہوجاتا ہے؛اسی لئے علامہ ابوالولید اشکر علیہ الرحمۃ نے اس لفظ سے بھی سلام کو جائز قرار دیا ہے۔(۱) یہی مسلک ابوالحسن واحدی اورامام الحرمین رحمہا اللہ کا ہے،علامہ نووی علیہ الرحمۃ نے اسی موقف کو صحیح قرار دیا ہے اور ابوجری رضی اللہ عنہ والی حدیث کی بارے میں یہ لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اکمل اورافضل طریقہ سے سلام کرنے کی ہدایت فرمائی تھی، یہ مطلب نہیں ہے کہ اس طرح اگر کوئی سلام کرے تو سلام ادا نہ ہوگا۔(۲)

سلام کے مسنون کلمات

سلام کے مسنون کلمات صرف دو ہیں: السلامُ علیکم (شروع میں الف لام اورمیم پر پیش) اورسلامٌ علیکم (شروع میں الف لام کا حذف اورمیم پر تنوین)اس کے علاوہ جتنے کلمات ہیں سب غیر مسنون کلمات ہیں،آج رواج سا ہوگیا ہے کہ لوگ السلامُ علیکم کی جگہ سَلَامْ علیکم کہتے ہیں یعنی سلام کے میم کو ساکن کرکے بولتے ہیں،سلام کے وقتیہ کلمہ کہنا نہ سنت سے ثابت ہے اور نہ عربی قواعد کے لحاظ سے درست ہے؛ اس لئے اس کے ذریعہ سلام کرنے والے کو جواب دینا بھی ضروری نہیں ہے،علامہ حصکفی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

لَا يَجِبُ رَدُّ سَلَامْ عَلَيْكُمْ بِجَزْمِ الْمِيمِ - (۳)

یعنی ایسے سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے۔

اس کی شرح میں علامہ شامی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

ثُمَّ رَأَيْت فِي الظَّهِيرِيَّةِ وَلَفْظُ السَّلَامِ فِي الْمَوَاضِعِ

(۱) فتح الباری،حدیث نمبر:۵۷۵۹۔
(۲) الاذکار۱/ ۲۵۰۔
(۳) درمختار مع الشامی ۶/ ۴۱۶۔

كُلِّهَا: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَوْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِالتَّنْوِينِ، وَبِدُونِ هَذَيْنِ كَمَا يَقُولُ الْجُهَّالُ، لَا يَكُونُ سَلَامًا ۔ (۱)

ظہیریہ نامی کتاب میں ہے کہ لفظ سلام ہر جگہ السلامُ علیکم (شروع میں الف لام اور میم پر پیش) اور سلامٌ علیکم (شروع میں الف لام کا حذف اور میم پر تنوین) ہے، ان دو الفاظ سے ہٹ کر جتنے الفاظ ہیں وہ سب مسنون سلام نہیں ہیں، ایسے کلمات ناواقفیت کی وجہ سے لوگ بول دیتے ہیں۔

ایسا عموماً بے توجہی اور جلد بازی کی وجہ سے ہوتا ہے؛ اِس لیے اس پہلو پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے، خود بھی السلامُ علیکم کہیں اور دوسروں کو بھی بتائیں۔

سلام کے غیر مسنون کلمات

(۱) سَلَامِ لیکُم (۲) سَلَامَا لیکُم (۳) السلامٌ علیکم (۵) السام لیکم (٦) السام علیکم (۷) سام علیکم (۸) سام لیکم (۹) السلام عِلیکُم (میم کا سکون اور علیکم میں لام کے زیر کے ساتھ) (۱۰) السلام اُلیکم۔

یہ سب سلام کے غلط اور غیر مسنون کلمات ہیں، جو ناواقفیت کی وجہ سے لوگ بول دیتے ہیں، الفاظِ شرعیہ کی پیروی ضروری ہے، اِس کے اندر کمی بیشی جائز نہیں؛ لہٰذا سلام میں وہی الفاظ معتبر ہوں گے، جو قرآن وسنت سے ثابت ہیں، ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ لکھتے ہیں:

ويكره تغيير صيغة السلام المشروعة هكذا، بمثل قول بعضهم: سلام من الله إلخ فذلك بدعة منكرة.

صیغہ سلام کی تبدیلی مکروہ ہے مثلاً: کچھ لوگوں کا سلام من اللہ کہنا بدعت اور منکر ہے۔ (۲)

اور فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

الفاظِ سلام: (۱) مسنون: سلامٌ یا السلامُ کا لفظ علیک یا علیکم کے ساتھ

(۱) الردمع الدر ٦/ ۴۱٦۔

(۲) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۲٦۸۴۔

کہے (۲) جائز: صرف سلام یا تسلیم؛ اس لیے کہ یہ لفظ قرآن میں مذکور؛ مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر ماثور ہے؛ پس صرف سلام یا تسلیم پر اکتفا کرنے والا ثوابِ سنت سے محروم رہے گا (۳) حرام: وہ لفظ جس میں تعظیم ممنوعہ نکلے جیسے بندگی (۴) بدعت یا مشابہت بہ کفار: پس جو لفظ بنفسہ گناہ کے معنوں میں شامل نہیں، بدعت ضالہ ہیں، جیسے: کورنش، مجرا، آداب، صبحک اللہ، مساک اللہ، جیسا کہ ابوداؤد نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور جو لفظ کفار کی پیروی سے اختیار کیے جائیں تو یہ گناہ بالائے گناہ ہے۔ (۱)

سلام کا معنی

احادیث سے ثابت ہے کہ سلام اللہ تعالی کے اسماء حسنی میں سے ہے، اس لحاظ سے **السلام علیکم** کا معنی ہوگا کہ اللہ تعالی تمہارا محافظ ونگہبان ہو، گویا سلام کرنے والا سامنے والے کے لئے یہ دعا دیتا ہے کہ اللہ تعالی تمہیں ہر شر اور فساد سے محفوظ رکھے اور بعض حضرات نے نگراں کے مفہوم میں لے کر یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ تعالی تمہارے سارے افعال سے واقف اور باخبر ہے، گویا سلام کے ذریعہ آخرت کی یاددہانی کی جاتی ہے کہ وہ ذات جو قادر مطلق ہے، آج اس نے جو تھوڑا بہت اختیار دے رکھا ہے، اس سے تم بے خوف نہ ہو جاؤ اور اپنے اختیار کو غلط استعمال نہ کرو؛ کیونکہ تمہارے سارے افعال کو اللہ تعالی دیکھ رہا ہے، اس کا ریکارڈ تیار ہو رہا ہے اور میدان محشر میں ان سب کا حساب ہوگا، ظاہر ہے کہ یہ یاددہانی بھی انسان کیلئے بڑی مفید چیز ہے۔

بعض حضرات نے اس کو دعا پر محمول کرتے ہوئے اس کا مطلب یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالی تمہارے سارے اعمال کو باوزن اور قیمتی بنائے اور فساد سے محفوظ رکھے اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ سلام کرنے والا گویا سلام کر کے مخاطب پر یہ واضح کرتا ہے تم مجھ سے مامون ہو، تمہیں ہمارے تعلق سے خوف نہیں کھانا چاہئے۔ (۲) ابن دقیق العید علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

(۱) فتاویٰ رحیمیہ ۱۰/۱۳۱، **کتاب الخطر والاباحۃ**۔
(۲) فتح الباری، **باب السلام اسم من اسماء اللہ**۔

السَّلَامُ يُطْلَقُ بِإِزَاءِ مَعَانٍ مِنْهَا السَّلَامَةُ وَمِنْهَا التَّحِيَّةُ وَمِنْهَا أَنَّهُ اسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللّٰهِ -(۱)

السلام کئی معنون میں استعمال ہوتا ہے: سلامتی اور بطور سلام کرنے کے بھی استعمال کیا جاتا ہے، نیز وہ اللہ کے ناموں میں سے ایک نام بھی ہے۔

پھر آگے لکھتے ہیں:

وَقَدْ يَأْتِي بِمَعْنَى التَّحِيَّةِ مَحْضًا وَقَدْ يَأْتِي بِمَعْنَى السَّلَامَةِ مَحْضًا وَقَدْ يَأْتِي مُتَرَدِّدًا بَيْنَ الْمَعْنَيَيْنِ -(۲)

اور کبھی یہ لفظ سلام کیلئے استعمال کیا جاتا ہے اور کبھی سلامتی کے معنی میں اور کبھی دونوں معنی کی اس میں گنجائش ہوتی ہے۔

عربی کے علاوہ دوسری زبان میں سلام

سلام کا جو مفہوم و معنی گذشتہ سطور میں بیان کیا گیا ہے، ان تمام مفہوم پر حاوی دوسری زبان کا کوئی لفظ ملنا مشکل ہے، عربی زبان کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں غیر معمولی وسعت ہوتی ہے اور ایک لفظ میں بہت سے معنی کو سمیٹ لیا جاتا ہے، جب کہ دوسری زبانوں کے الفاظ میں یہ ہمہ گیری اور وسعت نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے عربی زبان کے لفظ **السلام علیکم** کے ذریعہ سلام کرنا مستحب ہے، اس کے علاوہ دوسرا لفظ خواہ وہ عربی زبان کا ہی کیوں نہ ہو، سلام کے لئے استعمال کرنا خلاف اولی ہے، ابن دقیق العید علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

التَّحِيَّةَ بِغَيْرِ لَفْظِ السَّلَامِ مِنْ بَابِ تَرْكِ الْمُسْتَحَبِّ -(۳)

سلام کرنا لفظ السلام کے علاوہ کسی اور لفظ سے گویا ایک مستحب اور مندوب لفظ کو چھوڑنا ہے۔

---

(۱) فتح الباری ۱۱/ ۱۳، **باب السلام اسم من اسماء اللّٰہ تعالی**۔

(۲) حوالہ سابق۔

(۳) فتح الباری، حدیث نمبر: ۵۷۶۲۔

الفاظِ سلام کی آخری حد

معروف ومشہور روایات سے جو بات ثابت ہے وہ یہ ہے کہ سلام کے الفاظ **السلام علیکم و رحمة اللّٰہ و برکاته** پر پورے ہوجاتے ہیں، اس سے زیادہ الفاظ استعمال نہیں کرنا چاہیے۔(۱)

حضرت محمد بن عمرو علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ ایک یمنی صاحب آپ سے ملنے آئے اور انہوں نے **السلام علیکم و رحمة اللّٰہ و برکاته** پر اضافہ کر کے سلام کیا، یہ وہ زمانہ تھا جب کہ آپ کی بینائی ختم ہوچکی تھی، آپ نے فرمایا کہ یہ کون شخص ہے؟ لوگوں نے ان کا تعارف کرایا تو آپ نے فرمایا:

إِنَّ السَّلاَمَ انْتَهَى إِلَى الْبَرَكَةِ - (۲)

الفاظِ سلام کی تکمیل وبرکاتہ پر ہی ہوجاتی ہے۔

اور حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو ایک آدمی نے سلام کرتے ہوئے یوں کہا: **السلام علیکم و رحمة اللّٰہ و برکاته** تو آپ نے فرمایا کہ اس شخص نے ہم کو جواب میں اضافہ کرنے کا موقع ہی نہیں دیا؛ کیونکہ سلام کے الفاظ تو ''**و برکاته**'' پر ہی مکمل ہوجاتے ہیں۔(۳)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کسی جگہ تشریف لے جارہے تھے کہ ایک صاحب نے ان کو سلام ان الفاظ سے کیا: **السلام علیک و رحمة اللّٰہ و برکاته و مغفرته** تو آپ بہت خفا ہوئے، ان کو ڈانٹا اور فرمایا:

حَسْبُكَ إِذَا انْتَهَيْتَ إِلَى: وَبَرَكَاتُه۔(۴)

سلام کرتے وقت جب تم وبرکاتہ پر پہونچ جاؤ تو کافی ہے۔(مزید الفاظ کا اضافہ نہ کرو)۔

---

(۱) اوجز المسالک ۶/ ۳۷۳، مکتبہ یحیویہ سہارنپور۔
(۲) موطا امام مالک، حدیث نمبر: ۳۵۲۵۔
(۳) شعب الایمان، حدیث نمبر: ۸۶۷۵۔
(۴) شعب الایمان، حدیث نمبر: ۸۴۹۰۔

ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت عطاء بن ابی رباح علیہ الرحمہ کی مجلس میں تشریف لے گئے تو حضرت عطاء علیہ الرحمہ نے آگے بڑھ کر آپ کو سلام ان الفاظ میں کیا: **السلام علیک و رحمة الله و برکاته و مغفرته** تو آپ نے دریافت کیا کہ سلام کرنے والا کون ہے؟ حضرت عطاء علیہ الرحمہ نے اپنا نام ظاہر کیا تو فرمایا:

انْتَهِ إِلَى وَبَرَكَاتُهُ - (۱)

سلام کرتے وقت تم وبرکاتہ پر رک جایا کرو۔

حضرت یحییٰ بن سعید علیہ الرحمہ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو ایک صاحب نے سلام ان الفاظ سے کیا: **السّلام علیک و رحمة الله و برکاته والغادیات و الرائحات** تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا ''اور تمہارے اوپر بھی ہزار بار ہو'' ،راوی کا خیال ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو سلام کا یہ طریقہ ناپسند ہوا؛ اس لیے ناراضگی کے طور پر اس طرح جواب دیا تھا۔(۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث کو ذکر کرنے کے بعد امام محمد علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

وَبِهَذَا نَأْخُذُ، إِذَا قَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ فَلْيَكْفُفْ، فَإِنَّ اتِّبَاعَ السُّنَّةِ أَفْضَلُ -(۳)

اس حدیث کو ہم اختیار کرتے ہیں، سلام کرنے والا جب **السلام علیکم و رحمة الله و برکاته** کہہ دے تو وہیں پر رک جائے؛ کیونکہ سنت کی اتباع بہرحال افضل ہے۔

وبرکاتہ پر اضافہ

البتہ بعض ضعیف روایات سے ''**وبرکاته**'' پر اضافہ کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت سالم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ہمارے آقا حضرت عبداللہ

(۱) شعب الایمان،حدیث نمبر:۸۴۸۷۔

(۲) موطاامام مالک،حدیث نمبر:۳۵۳۴۔

(۳) موطاامام محمد،حدیث نمبر:۹۱۴۔

بن عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ جب ان کو کوئی سلام کرتا تو آپ سلام کے الفاظ پر کچھ نہ کچھ زیادہ کر کے جواب دیتے، میں ایک دن حاضر خدمت ہوا، آپ بیٹھے ہوئے تھے، میں نے آپ کو **السلام علیکم** کہا تو آپ نے **السلام علیکم و رحمة اللّٰه** کے ذریعہ جواب دیا۔ پھر دوسری مرتبہ آیا تو میں نے کہا: **السلام علیکم و رحمة اللّٰه** تو آپ نے جواب دیا: **السلام علیکم و رحمة اللّٰه و برکاته**، پھر میں تیسری مرتبہ حاضر خدمت ہوا تو میں نے سلام کرتے ہوئے کہا: **السلام علیکم و رحمة اللّٰه و برکاته** تو آپ نے جواب میں فرمایا: **السلام علیکم و رحمة اللّٰه و برکاته و طیب صلواته**۔(۱)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک صحابی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو سلام کرتے ہوئے کہا کہ "**السلام علیکم**"۔ آپ ﷺ نے ان کے سلام کا جواب دیا، جب وہ بیٹھ گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے دس نیکیاں ملیں، پھر دوسرے صحابی تشریف لائے اور کہا: **السلام علیکم و رحمة اللّٰه** تو آپ ﷺ نے ان کے سلام کا جواب دیا، جب وہ بیٹھ گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کو بیس نیکیاں ملیں۔ پھر ایک تیسرے صحابی تشریف لائے اور انہوں نے کہا: **السلام علیکم و رحمة اللّٰه و برکاته** تو آپ ﷺ نے ان کے سلام کا جواب دیا اور جب وہ بیٹھ گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو تیس نیکیاں ملیں۔(۲)

اور حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس میں یہ بھی اضافہ ہے کہ ایک چوتھے صحابی تشریف لائے اور انہوں نے **السلام و علیکم و رحمة اللّٰه و برکاته و مغفرته** کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ چالیس نیکیاں ملیں اور الفاظ سلام میں زیادتی سے تو ثواب میں اسی طرح اضافہ ہوتا ہے۔(۳)

لیکن اس حدیث کے متعلق علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں تین علتیں ہیں:

---

(۱) الادب المفرد، حدیث نمبر:۱۰۱۶۔
(۲) سنن ابوداؤد، حدیث نمبر:۵۱۹۵۔
(۳) سنن ابوداؤد شریف، حدیث نمبر:۱۵۹۶۔

(۱) اس حدیث کے ایک رواي ابن ابی مریم ہیں جن کوخود نافع بن مریم سے اس حدیث کے سننے کا یقین نہیں وہ خود کہتے ہیں:

أَظُنُّ أَنِّي سَمِعْتُ نَافِعَ بْنَ يَزِيدَ-(۱)

میرا خیال ہے کہ میں نے اس حدیث کونافع بن یزید سے سنا ہے۔

(۲) اسی طرح اس حدیث کی سند میں ابومرحوم عبدالرحیم بن میمون علیہ الرحمۃ ہیں جن کی روایت قابل استدلال نہیں ہے۔

(۳) نیز اس کے راوی حضرت سہل بن معاذ علیہ الرحمۃ بھی ہیں ان کی روایت بھی محدثین کے یہاں نا قابل اعتبار ہوتی ہے۔

اس لیے ان تین علتوں کی موجودگی میں یہ حدیث لائق استدلال نہیں ہوسکتی ہے۔(۲)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے جب کوئی مویشی چرانے والے صاحب گذرتے تو وہ کہتے: **السلام علیک یارسول الله!** تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جواب میں کہتے: **وعلیک السلام و رحمة الله وبرکاته و مغفرته و رضوانه** ۔(۳)

لیکن اس حدیث کے ایک راوی یوسف ابن ابی کثیر علیہ الرحمۃ ہیں جو ایک مجہول راوی ہیں اوران کے شیخ نوح بن ذکوان علیہ الرحمۃ ہیں جن کے بارے میں ابن حبان کا کہنا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہیں، یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن قیم علیہ الرحمۃ نے اس حدیث پر تبصرہ کرنے کے بعد لکھا ہے:

وَأَضْعَفُ مِنْ هَذَا الْحَدِيثُ الْآخَرُ عَنْ أنس -(۴)

ابوداؤد کی مذکورہ حدیث سے بھی زیادہ ضعیف حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جسے ابن السنی علیہ الرحمۃ نے عمل الیوم واللیلۃ میں نقل کی ہے۔

نیز حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سلام کیا کرتے تھے تو ہم

---

(۱) سنن ابوداؤد شریف، حدیث نمبر:۵۱۹۶۔

(۲) زادالمعاد ۲/۳۸۱، **فصل صیغة السلام**۔

(۳) عمل الیوم اللیلۃ لابن السنی، حدیث نمبر:۲۳۵، **باب منتهى ردالسلام**۔

(۴) زادالمعاد ۲/۳۸۱، **فصل صیغة السلام**۔

لوگ جواب میں کہتے تھے: **وعلیک السلام و رحمة الله و برکاته و مغفرته** (۱) مگر یہ حدیث بھی ضعیف ہے؛ کیونکہ اس کے کئی راوی غیر معتبر ہیں۔(۲)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے

حافظ بن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان روایات کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ احادیث اگر چہ انفرادی طور پر ضعیف ہیں؛ لیکن اپنے توابع وشواہد کی وجہ سے لائق استدلال ہیں؛ لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ **وبرکاته** پر زیادتی کی جاسکتی ہے۔(۳)

مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس باب کی ساری روایات ذکر کرنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ ان ساری روایات سے اگر چہ **وبرکاته** پر اضافہ کا جواز اور گنجائش کا پہلو نکلتا ہے۔(۴)

وبرکاتہ پر اضافہ سنت ہے؟

لیکن حضرت شیخ الحدیث نے یہ وضاحت کی ہے کہ سنت وہی ہے جن کا ذکر مشہور روایات میں ہے کہ **وبرکاته** پر اضافہ نہ کیا جائے اور کسی عمل پر زیادہ ثواب کسی عارض کی وجہ سے مل جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ اس کی ضد سنت نہ ہو؛ بلکہ بہت ممکن ہے کہ ایک عمل پر ثواب تو کسی عارض کی وجہ سے زیادہ ہو؛ لیکن سنت اور معمول بہ طریقہ اس کے برخلاف ہو، مثلاً: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک صحابی نماز کے لیے آئے اور صف میں شامل ہو گئے، حالانکہ سانس ان کی چڑھ رہی تھی، چنانچہ وہ **الحمد الله حمدا کثیرا اکثیرا طیبا مبارکا فیه** کہہ کر نماز میں شامل ہو گئے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو پوچھا کہ یہ کلمات کہنے والا کون ہے؟ سارے حضرات خاموش رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دریافت فرمایا اور یہ بھی ظاہر کر دیا کہ ان کے

---

(۱) شعب الایمان، حدیث نمبر: ۸۴۹۱۔
(۲) حوالہ سابق۔
(۳) فتح الباری ۱۱/ ۶۔
(۴) اوجز المسالک ۶/ ۳۷۳، مکتبہ یحیویہ سہارنپور۔

کلمات کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے، تب ایک صاحب آگے بڑھے اور عرض کیا کہ میں اس حال میں صف میں شامل ہوا کہ میری سانس چڑھ رہی تھی، میں نے ہی یہ کلمات کہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے بارہ فرشتوں کو دیکھا کہ ان کلمات کے ثواب کو اللہ کے یہاں لے جانے میں سبقت سے کام لے رہے ہیں۔(۱)

لیکن بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ قومہ کا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سائل کی تحقیق کرنے کے بعد فرمایا کہ میں نے تیس سے زائد فرشتوں کو دیکھا کہ وہ ایک دوسرے پر اس کے ثواب لکھنے میں سبقت کر رہے ہیں۔(۲) اور نسائی کی روایت ہے کہ حضرت رفاعہ بن رافع بن عفراء رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے اور ان کو اسی حالت میں چھینک آئی تو انہوں نے **الحمد الله حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه** پڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہونے کے بعد قائل کی تحقیق کی، پھر فرمایا کہ تیس سے زائد فرشتے ان کلمات کے ثواب کو اللہ کے یہاں لے جانے میں جلدی سے کام لے رہے تھے۔(۳)

اب واقعہ خواہ تکبیر تحریمہ کا ہو یا قومہ کا یا پھر نماز میں چھینک آنے کا ہو، ظاہر ہے کہ ان مقامات پر ان الفاظ کا کہنا مسنون نہیں ہے؛ لیکن ان الفاظ کی فضیلت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان کی ہے۔ تو جس طرح اس فضیلت کی وجہ سے اس کا مسنون ہونا لازم نہیں آتا، اسی طرح **و برکاته** پر اضافہ کرنے سے جو مخصوص فضائل بیان کئے گئے ہیں، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وبرکاتہ پر اضافہ سنت ہے، سنت تو وہی ہے جو معروف احادیث سے ثابت ہے؛ البتہ زیادتی کی گنجائش ہوگی۔(۴)

اللہ کو سلام کر سکتے ہیں یا نہیں؟

سلام ایک دعا ہے، سلام کرنے والا جسے سلام کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے اُس کے لیے

(۱) مسلم، حدیث نمبر: ۶۰۰۔
(۲) بخاری، حدیث نمبر: ۷۹۹۔
(۳) سنن نسائی، حدیث نمبر: ۹۳۱۔
(۴) اوجز المسالک ۶ / ۳۷۳، مکتبہ یحیویہ سہارنپور۔

سلامتی کی دعا کرتا ہے اور اگر السلام علی اللہ کہا جائے تو لازم آئے گا کہ اللہ کے لیے سلامتی کی دعا کی جارہی ہے اور یہ درست نہیں ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ سے کسی کے بارے میں سلامتی کی درخواست تو کی جاسکتی ہے؛ لیکن اللہ کے لیے سلامتی کی درخواست نہیں کی جاسکتی، علامہ ابن بطال علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

ولما كان السلام من أسماء الله لم يجز أن يقال: السلام على الله، وجاز أن يقال: السلام عليكم؛ لأن معناه سلام الله عليكم۔ (۱)

اس لئے السلام علی اللّٰہ کہنا درست نہیں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس سے منع فرمایا ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ ہم لوگ نمازوں میں السلام على الله قِبل عباده، السلام على جبرئيل، السلام على ميكائيل، السلام على فلان وفلان یعنی اللہ پر اس کے بندوں کی طرف سے سلام ہو، جبرئیل پر سلام ہو، میکائیل پر سلام ہو، فلاں فلاں پر سلام ہو، نماز سے فراغت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف متوجہ ہوکر فرمایا: ''إن الله هو السلام'' یعنی اللہ پر سلام ہو، مت کہو؛ کیوں کہ اللہ خود ''السلام'' ہے۔ (۲)

سلام کرنے میں اہل علم کی کوتاہی

اہل علم کو چاہیے کہ وہ اپنے سے چھوٹوں؛ بلکہ شاگردوں کو سلام کرنے میں سبقت کریں اور نیت اُن کی تربیت ہو کہ کل کو یہی چھوٹا او شاگرد، استاذ کی مسند پر بیٹھے گا، عامۃ المسلمین کی رہنمائی کا فریضہ انجام دے گا اور اگلی نسلوں تک میراث نبوی پہنچائے گا، اسی طرح چھوٹوں اور شاگردوں کو اپنے سے بڑوں کو سلام کرنے میں پہل کرنی چاہیے، ان کا حق بھی بنتا ہے، حدیث بھی ہے کہ چھوٹے بڑوں کو سلام کیا کریں، خاص طور سے طلبہ جب اپنے اساتذہ کو سلام کی شکل میں ہدیۂ محبت پیش کریں گے تو اس کی قیمت مادی ہدیہ سے زیادہ ہوگی، ایک

(۱) شرح بخاری لابن بطال ۹/ ۱۲۔
(۲) بخاری، حدیث نمبر: ۶۲۳۰۔

طالب علم کے لئے استاذ کی پاکیزہ قربت کے حصول کے لیے سلام سے بڑھ کر کوئی اور ذریعہ نہیں ہے، آپ خلوص سے دو چار بار استاذ کو سلام کیجئے، مصافحہ کیجئے، ان کی توجہ آپ پر یقینی طور سے ہو جائے گی، اگر استاذ کی توجُّہ آپ پر ہوگئی تو یقین مانیے آپ کو وہ سب کچھ حاصل ہوسکتا ہے جو کتابوں سے بھی حاصل نہیں ہوسکتا، کتاب تو الفاظ ہیں، الفاظ کے معانی اساتذہ ہیں، کتاب تو جسم ہے، روح اساتذہ ہیں، فیصلہ آپ کیجئے کہ آپ کو کیا لینا ہے؟ اگر کچھ لینا ہے تو اساتذہ کو خلوص دل سے سلام کیجئے؛ کیوں کہ سلام سے باہمی محبت پیدا ہوگی، حضور ﷺ نے افشاء سلام کو محبت کا ذریعہ قرار دیا ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

کیا میں تمہیں وہ عمل نہ بتادوں جس کے کرنے سے تمہارے درمیان محبت ویگانگت پیدا ہوجائے؟ (وہ ہے) سلام کو آپس میں خوب پھیلاؤ۔(۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان کی باہمی محبت ومودت کا دار ومدار سلام پر ہے اور سلام کرنے اور اُس کا جواب دینے سے یہ محبت ومودت دلوں میں پیدا ہوتی ہے، اب اگر اہل ایمان ایسے دو فریق ہوں جن کا مقصد ہی ایمان واسلام کی ترویج واشاعت ہے تو سلام کے ذریعہ اُن کی محبت کیا رنگ لائے گی؟ اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے، یقین جانئے یہی پاکیزہ اور مقدس محبت اصل جوہر ہے اساتذہ سے سیکھنے کا، جس طالب علم کو یہ پاکیزہ محبت حاصل ہوگئی وہ واقعی طالب علم کہلائے جانے کے لائق ہے۔

اِس پر خاص طور سے توجہ دلانے کی ضرورت اِس لیے پڑی کہ موجودہ زمانے میں اہل علم اور عامۃ المسلمین اسی طرح مدارس میں استاذ وشاگرد کا رشتہ دم توڑ رہا ہے، اہل علم کا عامۃ المسلمین سے اور اساتذہ کا طلبہ سے جو مشفقانہ برتاؤ ہونا چاہئے تھا اس میں بڑی حد تک کمی آ گئی ہے، دونوں کے درمیان قربت کے بجائے کافی فاصلے بڑھ گئے ہیں، حضرت تھانوی کے افادات میں ہے:

مجھے علماء سے شکایت ہے کہ ہم لوگ اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں، عوام کو سلام کرنے سے ہم کو عار آتی ہے؛ بلکہ اس کے منتظر رہتے ہیں کہ پہلے دوسرے ہم کو سلام

(۱) شعب الایمان، حدیث نمبر: ۸۷۴۵۔

کریں، ہم عوام کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں؛ حالاں کہ مناسب یہ تھا کہ
ہم اُن کے ساتھ شفقت کا معاملہ کرتے، ہم خود اپنے آپ ہی کو کہتے ہیں کہ
ابتداء بالسلام نہیں کرتے، اوراس کا منشاو ہی اپنے آپ کو بڑا سمجھنا ہے۔(۱)

بہر حال کمی دونوں طرف سے روز افزوں ہے، قصور کس کا کتنا ہے؟ یہ طے کرنے کا موقع نہیں ہے اور نہ اِس میں الجھنے کا کوئی فائدہ ہے، ضرورت اِس بات کی ہے کہ اہل علم کا عامۃ المسلمین سے اور اساتذہ کا طلبہ سے جیسا رشتہ ہونا چاہئے وہ پھر سے اُستوار ہوجائے اور سدا سلامت رہے، اِس کی آبیاری اور سلامتی کے لیے سلام کی ترویج واشاعت زیادہ مؤثر اور دیر پا ہوگی۔

سلام کے بعد خیریت معلوم کرنا

سلام کی مشروعیت کا مقصد ہی یہ ہے کہ دو مسلمان ایک دوسرے کو امن وسلامتی کی دعا دیں، اظہارِ محبت اور اپنائیت کا ثبوت دیں؛ اسی لئے سلام کے بعد اگر فرصت ہو تو ایک دوسرے کی خیریت بھی معلوم کریں، اُس کی دینی مصروفیات، اہلِ خانہ کے حالات اور دیگر معاملات کے سلسلے میں دریافت کریں، اُس کی پریشانیوں کو سنیں اور تسلی کے کلمات کہیں، مشورے کی ضرورت ہو تو مفید مشورے دیں؛ لیکن جس سے یہ سب معلوم کیا جائے، اُسے ہر حال میں خدا کی تعریف کرنی چاہیے، اِس سے نعمت میں اضافہ ہوتا ہے، مصیبت ختم ہوتی ہے، گلے شکوے کرنا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے؛ لہٰذا ایسا شخص جس سے خیرت دریافت کی جائے وہ الحمدللہ، اللہ کا شکر ہے، خدا کا کرم ہے، جیسے الفاظ کہے، حضرت انس ابن مالک سے مروی ہے کہ حضرت عمر ابن خطاب کو ایک شخص نے سلام کیا، آپ نے سلام کا جواب دے کر پوچھا: كيف أنت؟ کیسے ہو؟ اُس نے کہا: أحمد إليك الله (حضرت عمر خوش ہوئے) اور فرمایا: میرا یہی مقصد تھا(۲)، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

---

(۱) اسلامی تہذیب: ۶۲۔
(۲) موطاامام مالک، حدیث نمبر: ۱۷۳۱۔

بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے حضور ﷺ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہوگا۔(۱)

حضرت ابوذرغفاری ملکِ شام سے جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو مسجد نبوی میں داخل ہوئے، وہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے، حضرت ابوذر نے السلام علیکم کہا، انہوں نے جواب دیا :وعليكم السلام، كيف أنت يا أباذر ،یعنی اے ابوذر کیسے ہیں؟ حضرت ابوذر نے عرض کیا: بخیرٍ ہوں، پھر حضرت ابوذر نے پوچھا: آپ کیسے ہیں؟ (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کا آپس میں سلام کے بعد خیریت دریافت کرنے کا معمول تھا، اگر کافی دنوں کے بعد ملاقات ہوتو خیر خیریت ضرور معلوم کرنا چاہئے ؛لیکن خیریت سلام کے بعد دیافت کرنی چاہئے ۔(۳)

خیریت دریافت کرنا سو رحمتوں کے نزول کا سبب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جب دو مسلمانوں کی آپس میں ملاقات ہوتی ہے اور وہ (سلام کے بعد) ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں اور خیریت معلوم کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن دونوں کے درمیان سو رحمتیں نازل فرماتے ہیں، نناوے رحمتیں اُس کے لیے ہوتی ہیں جو انتہائی بشاشت وطلاقت اور خوشی ومسرت کا اظہار کرنے والا ہوتا ہے۔(۴)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلام ومصافحہ کے بعد خیریت دریافت کرنی چاہیے، یہ نزول رحمت کا سبب ہے، نیز ملاقات کے وقت چہرے پر خوشی کے آثار ہونے چاہئیں، اِس سے محبت بڑھتی ہے، ہنستا اور مسکراتا ہوا چہرہ سب کو پسند ہوتا ہے۔

---

(۱) اوجز المسالک ۱۷/ ۱۹۷۔
(۲) مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر: ۲۵۶۸۲۔
(۳) شرح بخاری لابن بطال ۶/ ۵۱۔
(۴) المعجم الاوسط للطبرانی، حدیث نمبر: ۷۶۷۲۔

خوش آمدید کہنا

آنے والے کو سلام ومصافحہ کے بعد خوش آمدید کہا جائے اور اُس کا پرتپاک استقبال کیا جائے تو اِس سے مودت ومحبت اور فرحت وسرور میں اضافہ ہوتا ہے اس سے مقصدِ سلام کی تکمیل ہوتی ہے اور مہمان کی آمد پر میزبان کی خوشی ومسرت کا اظہار ہوتا ہے، عربی میں خوش آمدید کی جگہ اہلا وسہلا، مرحباً استعمال ہوتا ہے؛ لہٰذا ہم مسلمانوں کو بھی مرحبا، اُہلا وسہلا اور خوش آمدید وغیرہ سلام کے بعد کہنا چاہیے، نبی کریم ﷺ سے مرحبا اور خوش آمدید کہنا ثابت ہے، حضرت علی کی حقیقی بہن اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں فتح مکہ کے دن آپ ﷺ کے پاس گئی، میں نے آپ کو غسل کرتے ہوئے پایا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کپڑے سے پردہ کئے ہوئی تھیں، ام ہانی کہتی ہیں: میں نے سلام کیا، آپ نے پوچھا: من ہذہ؟ کون ہے؟ میں نے عرض کیا: ام ہانی ہوں، آپ نے فرمایا:

مرحبا بأم ہانی ...(۱)

میں ام ہانی کو میں خوش آمدید کہتا ہوں۔

اسی طرح حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جس دن میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا:

مرحبا بالرکب المہاجر۔(۲)

ہجرت کرنے والے اونٹ سوار کو میں خوش آمدید کہتا ہوں۔

نیز حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے مجھے خوش آمدید کہا اور میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: براء! کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تمہارا ہاتھ کیوں پکڑا؟ میں نے عرض کیا: نہیں! آپ نے فرمایا:

لا یلقی مسلم مسلما فیبش بہ ویرحب بہ ویأخذ بیدہ إلا تناثرت الذنوب بینہما کما

(۱) سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۲۷۳۶۔
(۲) سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۲۷۳۷۔

يتناثر ورق الشجر - (۱)

سلام کے لیے سر پر ہاتھ رکھنا

بعض جگہ زبان سے سلام کرنے کو سُوءِ ادبی سمجھ کر سر پر ہاتھ رکھنے اور جھک کر آداب بجالانے ہی کو سلام تصور کیا جاتا ہے، ایسی صورت میں ان امور کے بجالانے سے کیا سلام کی سنت ادا ہوجائے گی؟ اسی طرح کا ایک سوال حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی سے کیا گیا تھا تو آپ نے تحریر فرمایا:

> سنت ادا نہیں ہوتی؛ البتہ زبان سے لفظ سلام کے ساتھ ہاتھ اٹھانے یا سر اور سینہ پر رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔(۲)

سلام کا جواب دینا

سلام کا جواب دینا فرشتوں، انبیاء اور صلحاء کا طریقہ رہا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے جب فرشتوں کو سلام کیا تھا تو انہوں نے آپؑ کے سلام کا جواب دیا تھا۔(۳) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی معمول رہا ہے کہ ہر سلام کرنے والے کے سلام کا جواب دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوضو نہیں تھے، اس حالت میں ایک صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیمم کرکے ان کے سلام کا جواب دیا۔(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہے کہ مغبون اور دھوکے میں رہنے والا شخص ہی سلام کا جواب نہیں دیا کرتا ہے۔(۵) نیز سلام کے معنی امان کے ہیں، جس کا تقاضہ ہے کہ جب کوئی مسلمان سلام کرے تو جواب ضرور دینا چاہئے، ورنہ اسے یہ اندیشہ ہوگا کہ یہ ہمارے متعلق کوئی شر کا ارادہ تو نہیں رکھتا ہے، سلام کا جواب دینے سے اس کا یہ وہم دور ہوجائے گا؛ اس لیے سلام کا جواب دینے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔(۶)

(۱) شعب الایمان، حدیث نمبر:۸۹۵۷۔
(۲) فتاویٰ مولانا عبدالحی، ص:۴۵۶۔
(۳) بخاری، حدیث نمبر:۳۳۲۶۔
(۴) سنن ابوداؤد، حدیث نمبر:۱۶۔
(۵) شعب الایمان، حدیث نمبر:۸۳۹۵۔
(۶) فتح الباری، **باب السلام اسم من اسماء اللہ تعالیٰ**۔

سلام کے جواب کا شرعی حکم

اگر کوئی سلام کرے تو جواب دینا واجب ہے؛ کیونکہ جواب نہ دینے سے ایک مسلمان کی اہانت اور اس کی بے عزتی ہے جو شرعاً حرام ہے۔(۱) اور سلام کا جواب اتنی زور سے دے کہ سلام کرنے والا سن لے؛ کیونکہ جواب اس وقت معتبر ہوگا، جب کہ مخاطب اسے سن لے؛ البتہ اگر سلام کرنے والا بہرا ہو، جواب کو نہ سن سکتا ہو تو اپنے ہونٹ کی حرکت سے اس پر واضح کر دے کہ میں تمہارے سلام کا جواب دے رہا ہوں۔(۲)

جواب میں سلام کے الفاظ پر زیادتی

سلام جتنے الفاظ سے کیا جائے اس کا جواب دیتے وقت اس پر زیادتی کرنا مستحب ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذَا حُيِّيتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا۔(۳)

اور جب تمہیں کوئی شخص سلام کرے تو تم اسے اس سے بھی بہتر طریقے پر سلام کرو، یا (کم از کم) انہی الفاظ میں اس کا جواب دے دو۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ جائیے اور فرشتوں کو سلام کیجئے اور وہ جو جواب دیں وہی جواب آپ کے اور آپ کی ذریت کے لیے ہوگا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو **السلام علیکم** کہا تو فرشتوں نے جواباً کہا: **السلام علیک و رحمة الله** گویا فرشتوں نے ورحمۃ اللہ کا اضافہ فرمایا۔(۴) اس سے معلوم ہوا کہ جواب دیتے وقت الفاظ میں زیادتی کرنا بہتر ہے۔(۵) اب اگر کوئی سلام کرتے وقت ہی سارے الفاظ سلام

(۱) الاختیار لتعلیل المختار ۴/ ۱۶۳، **فصل فی مسائل مختلفة۔**
(۲) حوالہ سابق۔
(۳) النساء:۸۶۔
(۴) بخاری، حدیث نمبر:۳۳۲۶۔
(۵) فتح الباری ۱۱/ ۶، **باب بدء السلام۔**

کہہ ڈالے تو جواباً اسی کو دہرا دیا جائے؛ تا کہ قرآنی حکم **اَوْ رُدُّوْهَا**۔(۱) پر عمل ہو جائے یا پھر صرف **وعلیک** پر اکتفاء کر لے، دونوں کی گنجائش ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک صاحب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان الفاظ سے سلام کیا: **السلام علیکم یا رسول اﷲ!** آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا: **وعلیک السلام و رحمة اﷲ**۔ پھر ایک دوسرے صاحب آئے اور انہوں نے کہا: **السلام علیک یارسول اﷲ ورحمة اﷲ**۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا: **وعلیک السلام و رحمة اﷲ و برکاته**۔ پھر ایک تیسرے صاحب آئے اور انہوں نے کہا: **السلام علیک یارسول اﷲورحمته و برکاته**۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں صرف **وعلیک** فرمایا، ان صاحب نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ نے فلاں اور فلاں کا جواب میرے سلام کا جواب دینے سے بہتر دیا، جتنا انہوں نے کہا تھا اس پر آپ نے اضافہ فرمایا؛ لیکن میں نے جتنا کہا اس پر آپ نے اضافہ نہیں فرمایا اور صرف **وعلیک** فرمایا، آپ نے فرمایا کہ تم نے اضافہ کی گنجائش میرے لیے چھوڑی ہی نہیں؛ اس لیے اضافہ نہیں کیا اور میرا یہ جواب قرآنی آیت: **وَإِذَا حُيِّيتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا**۔(۲) کے خلاف بھی نہیں ہے، تو نے جیسا سلام کیا میں نے بھی ویسا ہی جواب میں کہا۔(۳)

بچوں کو سلام

بعض حضرات کا خیال ہے کہ بچہ مکلف نہیں ہے؛ کیونکہ حکم شریعت کا تعلق تو بالغ حضرات سے ہوا کرتا ہے، اس لیے اس پر احکام شرعیہ کی ادائیگی لازم نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ حسن بصری علیہ الرحمہ بچوں کو سلام کرنا مشروع نہیں سمجھتے تھے۔(۴) اور حضرت محمد بن سیرین علیہ الرحمہ بچوں کو سلام

---

(۱) النساء:۸۶۔

(۲) حوالہ سابق۔

(۳) المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث نمبر: ۶۱۱۴۔

(۴) فتح الباری ۱۱/ ۳۲، **باب التسلیم علی الصبیان**۔

کیا کرتے تھے؛ لیکن اتنی زور سے نہیں کرتے تھے کہ وہ سن سکیں۔(۱) مگر یہ بات صحیح نہیں ہے، بچوں کو بھی بڑے حضرات سلام کریں، امام بخاری علیہ الرحمہ نے ایک مستقل باب ''**باب التسلیم علی الصبیان**'' قائم فرمایا ہے اور اس کے تحت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا معمول یہ بیان کیا ہے کہ وہ بچوں کو سلام کرتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ حضور ﷺ بھی بچوں کو سلام کیا کرتے تھے۔(۲) اور ابن ابی شیبہ علیہ الرحمہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کیا ہے:

مَرَّ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَنَحْنُ صِبْيَانٌ، فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا صِبْيَانُ-(۳)

آپ ﷺ ہم لوگوں کے پاس سے گذرے، ہم لوگ ابھی بچے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے بچو! **السلام علیکم**۔

اور نسائی کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض انصاری صحابہ سے ملاقات کے لیے جارہے تھے تو ان کے بچوں کو بھی سلام کرتے تھے، ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے اور دعائیں کرتے تھے۔(۴) یہ احادیث واضح طور پر بتاتی ہیں کہ بچوں کو سلام کرنے میں ان کو آدابِ شرعیہ سے آراستہ کرنا مقصود ہوتا ہے، اس سے اکابر میں تواضع پیدا ہوتی ہے اور کبر پر زَد پڑتی ہے۔(۵)

بچوں پر سلام کا جواب

بچہ چونکہ مکلف نہیں ہے، اس لیے اگر کوئی اس کو سلام کرے تو سلام کا جواب دینا بچوں پر واجب نہیں ہے؛ لیکن ان کے سرپرستوں کو اس بات کی تلقین کرنی چاہیے کہ وہ سلام کرنے والوں کے سلام کا جواب دیا کریں؛ تاکہ وہ ابتدا ہی سے سلام کا جواب دینے کے عادی ہوجائیں۔(۶)

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر: ۲۵۷۷۹۔
(۲) بخاری، حدیث نمبر: ۶۲۴۷۔
(۳) مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر: ۲۵۷۷۵۔
(۴) سنن کبریٰ للنسائی، حدیث نمبر: ۸۲۹۱۔
(۵) فتح الباری ۱۱/ ۳۳ **باب التسلیم علی الصبیان**۔
(۶) فتح الباری ۱۱/ ۳۳، **باب التسلیم علی الصبیان**۔

بچوں کے سلام کا جواب

قاضی حسین اور ابوسعد متولی رحمہا اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی بچہ کسی عاقل بالغ شخص کو سلام کرے تو یہ دیکھا جائے کہ وہ بچہ باشعور ہو اور اگر وہ اسلام قبول کر لے تو اسے معتبر سمجھا جائے گا تو ایسے بچے کے سلام کا جواب دینا واجب ہے ورنہ واجب نہیں ہے؛ لیکن علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ سلام کا جواب دینا بہر دو صورت ضروری ہے؛ کیونکہ قرآن پاک میں کسی تخصیص کے بغیر سلام کا جواب دینے کا حکم ہے؛ لہٰذا اسی کی اتباع کی جائے اور قاضی حسین ومتولی رحمہا اللہ کے بیان کردہ تفصیل پر توجہ نہ دی جائے۔(۱) اسی لیے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے دوٹوک الفاظ میں لکھا ہے:

وَلَوْ سَلَّمَ الصَّبِيُّ عَلَى بَالِغٍ وَجَبَ عَلَيْهِ الرَّد -(۲)

اگر بچہ نے کسی بالغ شخص کو سلام کیا تو اس پر یہ ضروری ہے کہ وہ بچہ کے سلام کا جواب دے۔

اپنے بچوں کو ''السلام علیکم'' کا عادی بنائیں

مغربی ممالک میں انگریز ملاقات کے وقت گڈ مارننگ، گڈ ایوننگ اور گڈ نائٹ اور ٹاٹا بائی بائی بولتے اور ہاتھ ہلاتے ہیں اور اپنے بچوں کو بھی یہی تعلیم دیتے ہیں، یہ وبا ہمارے ملک میں بھی در آئی ہے، ہمارے ملک کے غیر مسلموں نے اسے بخوشی قبول کر لیا ہے، اُن کی نقالی ہمارے بہت سے مسلم گھرانوں کے بچوں؛ بلکہ بڑوں میں بھی ہونے لگی ہے؛ بلکہ گھر کا کوئی شخص باہر جاتا ہے تو عورتیں بچوں کو باضابطہ تعلیم دیتی ہیں اور کہتی ہیں کہ بیٹے پاپا کو ٹاٹا کرو، اگر اُس نے نہیں کیا تو ہاتھ پکڑ کر ٹاٹا کرنے کا عادی بناتی ہیں، اگر کسی غیرت مند شخص نے کہہ دیا کہ بچوں کو سلام سکھانا چاہیے تو جواب ملتا ہے کہ ابھی بچہ ہے، بعد میں سب سیکھ جائے گا، یاد رکھیں یہ ایک بھیانک غلطی ہے، یہ بچے کے ساتھ محبت نہیں؛ بلکہ اُس کو اسلامی روایات سے دور کرنا ہے، بچوں کا ذہن سادے کاغذ جیسا ہوتا ہے، اس پر جو لکھیں گے وہی لکھا جائے گا، آج اس پر ٹاٹا اور بائی بائی لکھیں گے تو کل السلام علیکم کیسے زبان سے نکلے گا؛ اِس لیے گھر

(۱) الاذکار للنووی ۱/۴۱۱، **فصل السلام علی الصبی۔**
(۲) فتح الباری ۱۱/۱۴، **باب السلام اسم من اسماء اللّٰہ تعالیٰ۔**

کے بڑے لوگوں کو اس پر خصوصی توجہ دینی چاہیے، زمانے سے مرعوب نہ ہوں، اسلامی تہذیب ہی آپ کی کامیابی کی ضامن ہے، آخرت میں تہذیب واخلاق کی صحت کا پیمانہ، اخلاقِ نبوی اور تہذیب نبوی ہوں گے، حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم سے کہا تھا کہ السلام علیکم آپ کی اور آپ کی اولاد کا سلام ہے، گویا سلام عطیہ خداوندی ہے، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہ سے ایک مرتبہ یہ سوال کیا گیا کہ گھر سے باہر جاتے وقت چھوٹے بچوں کو ٹاٹا کہا جاتا ہے، یا بائی بائی کہا جاتا ہے، کیا اس طرح کے الفاظ کہنے مناسب ہیں؟ اس کے جواب میں آپ نے لکھا ہے:

> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو اپنی معاشرت میں غیر مسلموں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے؛ چنانچہ اسلام سے پہلے عربوں کے یہاں ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت کچھ اور الفاظ کہے جاتے تھے جو ''صبح بخیر'' اور ''شب بخیر'' کے ہم معنی ہوا کرتے تھے؛ بلکہ اُن میں اللہ تعالیٰ کی طرف بھی نسبت ہوتی تھی، کہ اللہ تمہاری صبح اچھی کرے، اللہ تمہاری شب اچھی کرے؛ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کے لیے اُن کلمات کو پسند نہیں فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ وہ جب ایک دوسرے سے ملیں تو ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ'' کہیں، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین کے ایسے کلمات کو بھی پسند نہیں فرمایا ہے جن میں معنی کے اعتبار سے کوئی برائی نہیں تھی، تو ''ٹاٹا'' اور ''بائی بائی'' جیسے الفاظ کہنے اور یہود ونصاریٰ کی رَوِش اختیار کرنے کی کیسے گنجائش ہوسکتی ہے، صحیح طریقہ یہ ہے کہ سلام کیا جائے اور سلام کا جواب دیا جائے؛ کیوں کہ اِس سے زیادہ جامع کوئی دعا نہیں ہوسکتی، سلام میں ہر طرح کے آفات وشرور سے حفاظت کی دعا ہے اور رحمت اور برکت کی دعا بھی ہے؛ گویا یہ ایک جامع دعا ہے جو ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے کہتا ہے... بہر حال بحیثیت مسلمان ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے سماج میں اسلامی ثقافت کو زندہ رکھیں، اِس سے زیادہ ناسمجھی اور کیا

ہوسکتی ہے کہ وہ دوسرے کے سامنے دست سوال دراز کرے، اسلام جیسے جامع نظامِ زندگی کے موجود ہوتے ہوئے دوسری تہذیب وثقافت سے مانگنے کی چیز حاصل کرنے کی بھی یہی مثال ہے۔(۱)

اور مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

یہ (السلام علیکم) اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس کا حدوحساب ہی نہیں، اب اِس سے زیادہ ہماری بدنصیبی کیا ہوگی کہ اس اعلیٰ ترین کلمہ کو چھوڑ کر ہم اپنے بچوں کو ''گڈ مارننگ'' ''گڈ ایوننگ'' سکھائیں اور دوسری قوموں کی نقالی کریں، اِس سے زیادہ ناقدری اور ناشکری اور محرومی کیا ہوگی؟(۲)

سلام کا جواب دینا کب ضروری ہے؟

سلام کرنے والا جب سلام اتنی زور سے کرے کہ مخاطب کے کانوں تک آواز پہونچ جائے تب جواب دینا ضروری ہے؛ کیونکہ جب مخاطب سنے ہی نہیں تو وہ جواب کیسے دے گا،حتی کہ فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ اگر کوئی اتنا آہستہ سلام کرے کہ مخاطب سن نہ سکے تو سنتِ سلام ادا نہ ہوگا اور یہ افشاء سلام کے بھی خلاف ہے،حضرت ثابت بن عبید علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ جب کسی کو سلام کیا کروتو اتنی زور سے کہو کہ وہ سن لے؛ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کی مبارکبادی ہے، اچھے کلمات اور برکت کی دعا پر مشتمل ہے۔(۳) امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ سلام کرنے والا اپنی آواز کو اتنا بلند کرے کہ کم سے کم وہ شخص سن لے جسے سلام کیا جارہا ہے، اگر وہ سن نہ پائے تو نہ سنت سلام کی ادائیگی ہوگی، نہ جواب دینا فرض ہے۔(۴) اور یہ افشاءِ سلام کے بھی خلاف ہے،حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

وَأَقَلُّ مَا يَحْصُلُ بِهِ وُجُوبُ الرَّدِّ أَن يسمع المبتديء

---

(۱) کتاب الفتاویٰ ۶/۱۲۶۔

(۲) اصلاحی خطبات ۶/۱۶۰۔

(۳) الادب المفرد، حدیث نمبر:۱۰۰۵، **باب یسمع اذا سلم۔**

(۴) الاذکار للنووی ۱/۴۰۷، **فصل رفع الصوت بالسلام۔**

وَحِينَئِذٍ يَسْتَحِقُّ الْجَوَابَ-(۱)

سلام کا جواب دینا اس وقت ضروری ہے جب کہ سلام کرنے والے کے سلام کو مخاطب سن لے اور سنانے کے بعد ہی سلام کرنے والا جواب کا حقدار ہوگا۔

اور مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ سلام کے تعلق سے ایک جگہ لکھتے ہیں:

اعلام ضروری ہے، اگر قریب ہو تو اسماع سے اور اگر بعید ہو تو اشارہ مع تلفظ باللسان کے۔(۲)

سلام کا جواب فوراً دے

سلام کا جواب فوراً دینا چاہیے، بلا تاخیر جواب دینا شرعاً مطلوب ہے؛ البتہ اگر کوئی عذر ہو، مثلاً نماز میں ہو یا قضاءِ حاجت میں مشغول ہو تو فراغت تک تاخیر کی جا سکتی ہے۔(۳) حضرت مہاجر بن قنفذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میں نے پیشاب کرنے کی حالت میں سلام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہیں دیا، فارغ ہونے کے بعد پہلے وضو فرمایا پھر جواب دیا اور تاخیر پر معذرت فرمائی کہ بغیر طہارت میں نے اللہ کا نام لینا مناسب نہیں سمجھا۔(۴) اس لیے حافظ بن حجر علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص جواب دینے میں بلا عذر تاخیر کر دے اور بعد میں جواب دے تو اسے سلام کا جواب نہیں مانا جائے اور یہ سمجھا جائے گا کہ اس سلام کا جواب جو ایک واجب عمل تھا اسے اس نے چھوڑ دیا۔(۵)

سلام کا جواب سلام ہی سے دیا جائے

اگر کوئی کسی کو سلام کرے تو اس کا جواب سلام ہی سے دینا ضروری ہے، سلام کے علاوہ دیگر کلمات کسی خاص مناسبت سے کہنے پر سلام کا جواب شمار نہ ہوگا، بعض مرتبہ عید مبارک وغیرہ

(۱) فتح الباری ۱۱/ ۱۴، **باب السلام اسم الخ۔**
(۲) امداد الفتاویٰ ۴/ ۲۷۶۔
(۳) زاد المعاد ۲/ ۳۸۳، **فصل رد السلام۔**
(۴) سنن ابوداؤد، حدیث نمبر: ۱۶۔
(۵) فتح الباری ۱۱/ ۱۴، **باب السلام اسم من اسماء اللّٰہ الخ۔**

کلمات کہہ دینا کافی سمجھ لیا جاتا ہے، یہ درست نہیں ہے، جواب تو اولاً سلام ہی سے دینا چاہیے، اس کے بعد مبارکبادی دینی چاہیے، یا کسی اور خوشی کا اظہار کرنا چاہیے، حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

وَاتَّفَقُوا عَلَى أَنَّ مَنْ سَلَّمَ لَمْ يُجْزِئْ فِي جَوَابِهِ إِلَّا السَّلَامُ - (١)

فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سلام کے جواب میں سلام ہی کیا جائے۔ (دوسرے الفاظ اس کی جگہ پر کافی نہ ہوں گے۔)

السلام علیکم کے بجائے تسلیم وغیرہ

بعض حضرات خط لکھتے وقت ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کے بجائے ''تسلیم، آداب، نیاز، سلام مسنون'' اور اس جیسے الفاظ استعمال کرتے ہیں، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ درست ہے؟ اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہ لکھتے ہیں:

اسلام سے پہلے عربوں میں ملاقات کے وقت کچھ اور کلمات کہے جاتے تھے، بعض کلمات جن کا حدیث میں ذکر آیا ہے، مشرکانہ بھی نہیں تھے؛ لیکن اِس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مستقل کلمہ ''السلام علیکم'' مقرر فرمایا جو بہت ہی بامعنی دعاؤں پر مشتمل ہے، اِس سے صاف ظاہر ہے کہ اصل اسلامی طریقہ ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' لکھنا ہے، دوسرے الفاظ لکھے جائیں تو اُس سے یہ سنت ادا نہیں ہوگی۔(٢)

سلام کا جواب دینے میں بخل سے کام نہ لے

سلام کا جواب دینے میں کوتاہی نہ کرے، اس سلسلے میں کوتاہی اور سستی بڑے خیر اور ثواب سے محرومی کا باعث ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ چند امور

(١) فتح الباری ١١/ ١٤، باب تسليم القليل۔
(٢) کتاب الفتاوی ٦/ ١٢٣۔

اسلام کے روشن مینار ہیں، مثلاً: اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، فرض نمازوں کی پابندی کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، حج کرنا، رمضان کے روزے رکھنا، اچھی باتوں کا حکم کرنا اور بُری باتوں سے روکنا، گھر میں داخل ہوتے وقت گھر والوں کو سلام کرنا اور جن مسلمانوں کے پاس سے گذر ہو ان کو سلام کرنا، اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ لوگ تمہارے سلام کا جواب دیں گے تو فرشتے ان کے لیے رحمت کی دعا کریں گے اور اگر وہ جواب نہیں دیں گے تو تمہارے سلام کا جواب فرشتے دیں گے اور ان پر فرشتے لعنت بھیجیں گے، جو ان امور میں سے کسی میں کمی کردے اس نے اسلام کو اس کے بقدر چھوڑ دیا اور جس نے سب کو چھوڑ دیا تو وہ اسلام ہی سے پھر گیا۔(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی منقول ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بخیل وہ شخص ہے جو سلام کرنے میں بھی بخل سے کام لے اور جو سلام کا جواب نہیں دیتا ہے وہ دھوکہ میں مبتلا ہے۔(۲)

سلام کا جواب وعلیکم سے دے

سلام کا جواب دیتے وقت واحد کا صیغہ استعمال کرنے کے بجائے جمع کا صیغہ استعمال کرنا چاہیے، حضرت معاویہ بن قرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے والد محترم نے مجھے یہ وصیت کی کہ اگر تم کو کوئی سلام کرے تو ''**وعلیک**'' سے جواب دینے کے بجائے ''**وعلیکم**'' کے ذریعہ جواب دینا (اگرچہ وہ تنہا ہو)؛ کیونکہ ان کے ساتھ فرشتے بھی ہوتے ہیں۔(۳) حضرت ربیع بن خیثم، قاضی شریح، ابراہیم نخعی اور محمد بن سیرین رحمہم اللہ کا بھی یہی عمل تھا۔(۴)

سلام کے جواب میں صرف وعلیک کہنا

کسی مسلمان کے سلام کے جواب میں اگر کوئی **وعلیک** جواباً کہے اور اس سے زائد کچھ

(۱) الترغیب فی فضائل الاعمال وثواب ذلک لابن شاہین، حدیث نمبر: ۴۸۷ **باب مختصر فی فضل السلام وردہ**، عمل الیوم واللیلۃ لابن سنی، حدیث نمبر: ۱۶۰، **باب تسلیم الرجل علی اھلہ**۔
(۲) شعب الایمان، حدیث نمبر: ۸۳۹۵۔
(۳) مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر: ۲۵۶۸۵۔
(۴) حوالہ سابق، حدیث نمبر: ۲۵۶۸۶، اور اس کے بعد والی احادیث۔

اور نہ کہے تو بھی جواب شمار ہوگا، مختلف احادیث میں ہے کہ کئی صحابہ نے آپ ﷺ کو سلام کیا اور آپ ﷺ نے ان کے سلام کا جواب دیتے وقت صرف ''**وعلیک**'' کہا، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب میری پہلی ملاقات مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ سے ہوئی تو میں نے آپ ﷺ کو **السلام علیک یا رسول اللّٰہ ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ** کے ذریعہ سلام کیا تو جواب میں آپ نے **وعلیک ورحمۃ اللّٰہ** تین بار فرمایا۔(۱) اسی طرح طبرانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک صحابی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ ﷺ کو سلام ان الفاظ سے کیا: ''**سلام علیکم**'' آپ ﷺ نے ان کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: **وعلیک ورحمۃ اللّٰہ**، اور معجم اوسط میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ کی خدمت میں ایک صاحب آئے اور **السلام علیک یا رسول اللّٰہ** کے ذریعہ سلام کیا تو آپ ﷺ نے جواب میں صرف ''**وعلیک**'' فرمایا۔(۲) حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ کا خیال ہے کہ جہاں تک ''**وعلیک**'' کے ذریعہ سلام کے جواب کے کافی ہونے کی بات ہے تو اس میں دورائے نہیں ہے؛ البتہ یہ لفظ احادیث میں غیر مسلم کے جواب کے طور پر مشہور ہو گیا ہے؛ اس لیے ایک مسلمان کے سلام کا جواب اس لفظ سے نہیں دینا چاہیے۔(۳)

جیتے رہو اور خوش رہو کہنا

ہندوستان کے بعض علاقوں میں جب بوڑھی عورتوں کو سلام کیا جاتا ہے تو وہ جواب میں ''وعلیکم السلام'' کی جگہ جیتے رہو، خوش رہو، اللہ سلامت رکھے وغیرہ کہتی ہیں، یہ سب کلمات دعا تو ہیں؛ لیکن سلام کے جواب کے لیے کافی نہیں ہیں؛ البتہ سلام کا جواب دینے کے بعد یہ سب دعائیہ کلمات کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اسکول، کالج میں مسلم بچے سلام کیسے کریں؟

اسکول، کالج اور یونیورسٹی میں مسلم بچے بھی پڑھتے ہیں، ان کے اساتذہ غیر مسلم بھی

---

(۱) المعجم الاوسط، حدیث نمبر: ۳۰۵۱۔

(۲) فتح الباری ۱۱/ ۶۴ **باب کیف الرد علی اھل الذمۃ بالسلام**۔

(۳) حوالہ سابق۔

ہوتے ہیں، اسی طرح بہت سے مسلم بچے کوچنگ کرتے ہیں، ٹیوشن پڑھتے ہیں اور وہاں غیر مسلم ٹیچرس ہوتے ہیں، وہاں بھی مسلمان بچوں کے لیے اپنے استاد کو السلام علیکم کہنا درست نہیں ہے اور نہ ہی نمستے اور پرنام کہنا جائز ہے، حضرت تھانوی لکھتے ہیں:

مسلمانوں کے بچے سرکاری اسکولوں میں پڑھتے ہیں، اُن کو بھی انگریزی یا ہندوانہ طریق سے سلام نہ کرنا چاہیے؛ بلکہ شرعی طریقے پر استاذوں وغیرہ کو سلام کرنا چاہیے؛ اگر استاذ کافر ہو تو اُس کو صرف سلام یا السلام علی من اتبع الہدیٰ کہنا چاہیے، کافروں کے لیے السلام علیکم کے الفاظ نہ استعمال کرنا چاہیے۔(۱)

جوڈو کراٹے سینٹر میں جھک کر سلام کرنا

جوڈو کراٹے کی جہاں ٹریننگ ہوتی ہے وہاں سیکھنے والے جب اپنے استاد کے سامنے آتے ہیں تو اُن کے سامنے ہاتھ کھُلے چھوڑتے ہوئے اِس قدر جھکتے ہیں جیسے نماز میں رکوع کی حالت ہوتی ہے، اسی طرح کراٹے کے اختتام پر بھی اسی انداز سے جھکا جاتا ہے، اگر سیکھنے والے مسلمان ہوں تو اِن کے لیے شرعاً اِس طرح جھکنا جائز نہیں ہے، حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ ایک صاحب حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ الرَّجُلُ مِنَّا يَلْقَى أَخَاهُ أَوْ صَدِيقَهُ أَيَنْحَنِي لَهُ؟ قَالَ: لَا .

حضور ﷺ! جب ہم میں سے کوئی اپنے بھائی یا اپنے دوست سے ملے تو اس کے سامنے جھک سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔(۲)

مولانا یوسف صاحب لدھیانوی لکھتے ہیں:

مجوسیوں کے یہاں یہی طریقہ تھا کہ وہ بادشاہوں، امیروں اور افسروں کے سامنے جھکتے تھے، اسلام میں اِس فعل کو ناجائز قرار دیا گیا ہے، ٹریننگ کا

(۱) بہشتی زیور کامل: ۳۶۴۔
(۲) سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۲۷۲۸۔

مذکورہ اصول اسلامی احکام کے منافی ہے۔(۱)

لہٰذا مسلمانوں کو اِس سے پرہیز کرنا چاہیے اور سینٹر کے ذمہ داروں کو اسلامی احکام سے رُوشناس کرانا چاہیے، اگر نہ مانیں تو اس عمل کا انکار کردینا چاہیے؛ کیوں کہ خدا کی ناراضی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔

سلام واستقبال کے غیر شرعی طریقے

سلام اور استقبال کے جو خود ساختہ طریقے اپنائے جاتے ہیں، اُن کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں ہے، جیسے اعلیٰ سیاسی عہدیداران اور افسران کے لیے جھنڈے لہرانا، شمع روشن کرنا، توپ چھوڑ کر یا پٹاخے، گولہ بارود چھوڑ کر یہ معنی لینا، کھڑے ہوکر اور ہاتھ جوڑ کر سلام وادب کی رسمی روایت کو زندہ کرنے سے کوئی سلام کا فائدہ اور نتیجہ مرتب نہیں ہوتا۔(۲)

جھنڈے اور پرچم کو سلام کرنا

جھنڈے اور پرچم کسی بھی قوم اور ملک کی شناخت اور یونیفارم کی حیثیت رکھتے ہیں، اُن کا لہرانا جائز ہے؛ لیکن اِس موقع سے کوئی ایسا عمل کرنا جس سے جھنڈے کی غیر معمولی تعظیم ظاہر ہوتی ہو، مثلاً: ہاتھ جوڑنا، جھکنا، یا سجدہ کرنا جائز نہیں ہے؛ اسلامی نقطہ نظر سے کسی بھی مخلوق کے ساتھ اِس طرح کا برتاؤ درست نہیں ہے، حضور ﷺ نے کسی کے سامنے جھکنے سے منع فرمایا ہے؛ لہذا اسکولوں، کالجوں اور سرکاری اداروں میں ملکی جھنڈے کو جو سلام کیا جاتا ہے اور ملک کی آزادی کے دن ترانہ خوانی اور پرچم کشائی ہوتی ہے، پھر جھنڈے کو سلام کیا جاتا ہے، شرعاً یہ درست نہیں ہے، مولانا محمد یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں:

پرچم کو سلام کرنا غیر شرعی رسم ہے، اِس کو تبدیل کرنا چاہیے؛ وطن سے محبت تو ایمان کی علامت ہے؛ مگر اظہارِ محبت کا یہ طریقہ کفار کی ایجاد ہے، مسلمانوں کو کفار کی تقلید روا نہیں۔(۳)

---

(۱) آپ کے مسائل اوران کاحل ۷/ ۲۶۶۔
(۲) اہمیت سلام وملاقات،ص:۳۹۔
(۳) آپ کے مسائل اوران کاحل ۷/ ۲۶۸۔

سلام کا جواب اشارہ سے دینا

سلام ایک دعا ہے، جس کا اظہار زبان سے ہونا چاہیے، زبان سے سلام کے الفاظ ادا کئے بغیر صرف ہاتھ وغیرہ سے اشارہ کرنا مسلمانوں کا شیوہ نہیں ہے، اسے غیر مسلموں کا شعار قرار دیا گیا ہے۔ **عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ** کی سند سے امام ترمذی رحمہ اللہ نے مرفوعاً یہ روایت کی ہے کہ سلام کرنے میں یہود و نصاریٰ کی مشابہت اختیار نہ کیا کرو؛ کیونکہ یہود انگلیوں سے اشارہ کر کے سلام کیا کرتے ہیں اور نصاریٰ ہتھیلیوں سے اشارہ کرتے ہیں، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو غریب قرار دیا ہے۔(۱) لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے سنداً اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔(۲) البتہ امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً سند جید کے ساتھ نقل کیا ہے۔(۳) کہ یہود جیسا سلام نہ کیا کرو؛ کیونکہ یہود کا سلام سر، ہتھیلی اور اشارہ سے ہوا کرتا ہے۔(۴) انہی احادیث کی روشنی میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ محض اشارہ سے جواب دینا کافی نہیں ہے، وہ فرماتے ہیں:

وَلَا يَكْفِي الرَّدُّ بِالْإِشَارَةِ -(۵)

سلام کا جواب اشارہ سے دینا کافی نہ ہوگا۔

کیا آپ ﷺ نے ہاتھ کے اشارہ سے سلام کیا تھا؟

ہاتھ سے اشارہ کر کے سلام کرنے کی ممانعت کا ذکر حدیث میں ہے، اور اسے یہود و نصاریٰ کا شعار قرار دیا گیا ہے؛ اس لیے آپ ﷺ سے تو یہ بات مستبعد معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے اشارہ سے سلام کرنے پر اکتفاء کیا ہوگا؛ البتہ حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ مسجد تشریف لائے، کچھ عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں، آپ ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ سے اشارہ

---

(۱) سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۲۶۹۵۔
(۲) فتح الباری ۱۱ / ۱۴، **باب تسلیم القلیل علی الکثیر۔**
(۳) حوالہ سابق۔
(۴) سنن کبریٰ للنسائی، حدیث نمبر: ۱۰۱۰۰۔
(۵) فتح الباری ۱۱ / ۱۴، **باب تسلیم القلیل علی الکثیر۔**

کر کے سلام کیا اور مسکراتے ہوئے ان کو کچھ نصیحتیں فرمائیں۔(۱) لیکن یہی روایت مسند احمد میں حضرت اسماء بنت زید رضی اللہ عنہا سے منقول ہے، اس میں یہ ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے عورتوں کو سلام کیا تھا، ہاتھ سے اشارہ کرنے کا ذکر اس روایت میں نہیں ہے۔(۲) اس حدیث کی روشنی میں حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے معجم طبرانی والی حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ نے صرف اشارہ پر اکتفاء نہیں کیا تھا؛ بلکہ سلام بھی کیا تھا اور اشارہ بھی کیا تھا اور ایسا کرنا جائز ہے، اگر دور ہونے کی وجہ سے آواز پہونچنے میں شک ہو، یا گونگا شخص ہو تو زبان سے تلفظ کے ساتھ اشارہ بھی کر دینا چاہیے؛ تاکہ انہیں سلام کیے جانے کا علم ہو سکے۔(۳)

رخصت ہونے والے کے سلام کا جواب

علامہ حلیمی علیہ الرحمۃ نے سلام کا جواب دینے کی حکمت یہ لکھی ہے کہ سلام کرنے والے کو جواب دینے والے کی طرف سے اطمینان حاصل ہو جاتا ہے اور اس کی طرف سے شر کا اندیشہ نہیں ہوتا ہے اور اگر وہ جواب نہ دے تو طرح طرح کے خیالات ووساوس سے سلام کرنے والا پریشان ہوگا اور اس کیفیت سے دو چار کرنے والا وہی شخص ہے جس نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا ہے؛ اس لیے اس پر سلام کا جواب دینا واجب ہے، علامہ حلیمی علیہ الرحمۃ کی اس حکمت کی روشنی میں قاضی حسین اور علامہ متولی رحمہما اللہ نے یہ کہا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مجلس میں جائے اور اہل مجلس کو سلام کرے اور وہ حضرات اس کے سلام کا جواب دے دیں، پھر یہ مجلس سے اٹھ کر جانا چاہے اور سلام کرے تو اس کے سلام کا جواب دینا اہل مجلس پر ضروری نہیں ہے؛ کیونکہ پہلے سلام کا جواب دینے سے تو شر اور دیگر خدشات کا ازالہ ہو چکا ہے، اب مزید ازالہ کی ضرورت نہیں ہے۔(۴) نیز ان کا کہنا ہے کہ بعض حضرات جو مجلس سے جدا ہوتے وقت سلام کرتے ہیں وہ ایک طرح کی دعا ہے؛

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث نمبر: ۴۴۵۔
(۲) مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۷۵۶۱۔
(۳) فتح الباری ۱۱/ ۱۴، **باب تسلیم القلیل علی الکثیر۔**
(۴) فتح الباری ۱۱/ ۷، **باب افشاء السلام۔**

لہذا اس کا جواب دینا اہلِ مجلس کے لیے ضروری نہیں ہے؛ کیونکہ سلام کی مشروعیت تو ملاقات کے وقت ہے، واپس ہوتے وقت اس کی مشروعیت نہیں ہے۔(۱) لیکن علامہ مستظہری علیہ الرحمہ نے اس کا انکار کیا ہے اور علامہ نووی علیہ الرحمہ نے اس موقف کو درست قرار دیا ہے۔(۲) اور یہ لکھا ہے کہ احادیث کی روشنی میں مجلس سے جاتے وقت بھی سلام کرنا سنت ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی کسی مجلس میں جائے تو اہلِ مجلس کو سلام کرے اور جب وہاں سے آنا چاہے تو بھی سلام کرے؛ کیونکہ پہلا سلام دوسرے سلام سے فضیلت میں بڑھا ہوا نہیں ہے؛ بلکہ دونوں سنت ہیں۔(۳) اور امام ترمذی علیہ الرحمہ نے بھی اسی مضمون کی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔(۴) ان احادیث کو ذکر کرنے کے بعد علامہ نووی علیہ الرحمہ نے یہ لکھا ہے کہ ابوداؤد اور ترمذی کی ظاہر حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مجلس سے اٹھ کر جانے والا سلام کرے تو اس کا جواب اہلِ مجلس کو دینا ضروری ہے، امام ابوبکر شاشی علیہ الرحمہ کا بھی یہی کہنا ہے، اور اس کو علامہ نووی علیہ الرحمہ نے درست قرار دیا ہے۔(۵)

رخصت کرتے وقت ''خدا حافظ'' یا ''فی امان اللہ'' کہنا

ہمارے مسلم معاشرے میں اپنے کسی عزیز یا رشتہ دار کو رخصت کرتے وقت ایک نامناسب طریقہ رائج ہوگیا ہے اور وہ ہے سلام کو چھوڑ کر خدا حافظ، اللہ حافظ یا فی امان اللہ کہا جاتا ہے، رخصتی یا جدائی کے وقت سلام کے بجائے اس طرح کے کلمات کا ادا کرنا صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ سلام کو چھوڑ کر ان کلمات کو اختیار کرنا گویا شریعت کے اندر تبدیلی کرنا ہے اور دین کے اندر ایسی تبدیلی کرنے کا کسی کو بھی اختیار نہیں ہے، ہاں اگر پہلے سلام کیا جائے اور بعد میں اللہ حافظ یا فی امان اللہ کہہ دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(۱) الاذکار للنووی ۱/۲۵۸، **باب فی آداب و مسائل من السلام۔**
(۲) فتح الباری ۱۱/۷، **باب افشاء السلام۔**
(۳) سنن ابوداؤد، حدیث نمبر: ۵۲۰۸، **باب فی السلام اذا قام**، مع عون المعبود وحاشیہ ابن قیم۔
(۴) سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۲۷۰۶۔
(۵) الاذکار للنووی، رقم: ۷۳۹، تحقیق شعیب الارناؤوط ۱/۲۵۸، **باب فی آداب و مسائل من السلام**

الغرض کسی کو رخصت کرتے وقت بھی سلام کی سنت کو زندہ کیجئے، اس وقت سلام کو چھوڑ کر فی امان اللہ جیسے کلمات کو فروغ نہ دیجئے، ٹیلیفون پر بات کرنے کے بعد اکثر لوگ ٹیلیفون بند کرتے وقت سلام کے بجائے فی امان اللہ، اللہ حافظ یا خدا حافظ کہتے ہیں، سلام نہیں کرتے، ٹیلیفون ہو یا زبانی ملاقات، دونوں کا حکم ایک ہی ہے، پہلے سلام کرنا چاہیے اور جب ٹیلیفون بند کرنے لگیں تو السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر ٹیلیفون بند کرنا چاہئے، اگر کسی کا دل چاہے اور سلام کرنے کے بعد فی امان اللہ وغیرہ کہہ لے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

جس کے بارے میں گمان ہو کہ وہ سلام کا جواب نہیں دے گا تو؟

جس شخص کے بارے میں یہ خیال ہو کہ وہ سلام کا جواب نہیں دے گا تو ایسے شخص کو بھی سلام کرنے سے رُکنا نہیں چاہیے؛ کیونکہ یہ ایک طرح کا ظن ہے اور ظن میں غلطی بھی ہوسکتی ہے، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ان حضرات کے قول کو ضعیف قرار دیا ہے جو ایسے لوگوں کو سلام نہ کرنے کے حق میں ہیں، درحقیقت ان حضرات کے قول کی بنیاد اس بات پر ہے کہ سلام کرنا سنت ہے اور جواب دینا واجب ہے، اب اگر مخاطب سلام کا جواب نہیں دے گا تو وہ گنہگار ہوگا اور ایک مسلمان کو گناہ سے بچانا زیادہ بہتر ہے؛ لیکن علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے قبول کرنے سے انکار کردیا اور فرمایا کہ ماموراتِ شرعیہ کو ظن وتخمین کی بنیاد پر چھوڑ دینا غیر معقول بات ہے، سلام ایک امرِ شرعی ہے اسے محض گمان کی بنیاد پر چھوڑ دینا درست نہ ہوگا، اگر اس موقف پر عمل کیا جائے گا تو بہت سے منکرات پر نکیر کرنا ہی ختم ہوجائے گا کہ وہاں بھی یہی خیال ہوگا کہ مخاطب قبول کرے گا یا نہیں؟ لہٰذا سلام کرنا تو بند نہ کیا جائے؛ البتہ اگر گمان کے مطابق اس نے سلام کا جواب نہیں دیا تو اسے نرمی سے سمجھانا چاہیے، سلام کے جواب کی اہمیت سے آگاہ کرنا چاہیے اور جواب نہ دینے کی صورت میں اسے جو گناہ ہوگا اس سے واقف کرایا جائے؛ تاکہ آئندہ وہ باز آجائے اور اگر وہ باز نہ آئے اور سمجھانے کے باوجود وہ اپنے موقف پر جما رہے تو بھی سلام کرنا بند نہ کیا جائے، سلام تو حسبِ دستور کرنا ہے؛ البتہ سلام کا جواب دینا ایک مسلمان کا حق ہے، جسے وہ ادا نہیں کررہا ہے؛ لہٰذا سلام کرنے والے کو یہ حق معاف کردینا چاہیے؛ تاکہ وہ گناہ سے محفوظ رہے؛ مگر ابن دقیق العید

علیہ نے علامہ نووی علیہ کے اس موقف کو ضعیف قرار دیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ کسی مسلمان کو گناہ سے بچانا فوائدِ سلام کو حاصل کرنے سے زیادہ اہم ہے اور جہاں تک افشاءِ سلام کی بات ہے تو اس پر عمل دوسروں کو سلام کرنے کے ذریعہ بھی ہوسکتا ہے؛ اس لیے خواہ مخواہ کسی مسلمان کو گناہ میں مبتلا کرنا اچھا نہیں ہے۔(۱)

سلام کرنے میں تکرار

اگر مجمع زیادہ ہو اور سبھوں تک سلام کی آواز پہونچانا مقصود ہو تو حسبِ ضرورت سلام بار بار کیا جاسکتا ہے؛ اسی طرح کسی کو ایک مرتبہ سلام کرنے سے اس کے نہ سننے کا احتمال ہو تو اس کو بھی ایک سے زائد بار سلام کیا جاسکتا ہے؛ یہی وجہ ہے کہ استیذان کے وقت پہلی مرتبہ کے سلام کا جواب نہ ملنے پر مزید دو مرتبہ سلام کرنے کا حکم ہے؛ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ تین مرتبہ سلام کیا کرتے تھے۔(۲)

حافظ ابن حجر علیہ نے اس حدیث کی تشریح میں دو احتمالات کا ذکر کیا ہے، ایک تو یہ کہ تین مرتبہ سلام کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استیذان کے وقت ہوا کرتا تھا یا پھر جب کہ مخاطب کے سلام نہ سننے کا احتمال ہوتا تھا تو اس وقت آپ تین مرتبہ کیے بعد دیگر حسب ضرورت سلام کرتے تھے۔(۳)

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کتنی مرتبہ سلام کیا جائے؟ اس کی کوئی تحدید ہے یا اپنی صوابدید پر ہے، حدیث میں تو ایسی کوئی تعداد کی صراحت نہیں ہے کہ اس کے بعد نہ کی جائے؛ البتہ استیذان کے باب میں تین مرتبہ سلام کرنے کی اجازت ہے اور اس کے بعد واپس ہوجانے کا حکم ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول بھی تین سے زائد بار سلام کرنے کا نہیں تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں مخاطب کے نہ سننے کا احتمال ہو تو وہاں بھی تین مرتبہ سلام کرنے کی گنجائش ہوگی اور اس کے بعد بھی اگر مخاطب نہ سن پائے تو مزید سلام کرنے کی ضرورت نہیں ہے، حافظ ابن حجر علیہ لکھتے ہیں:

---

(۱) فتح الباری:۱۱/ ۲۰،۲۱، **باب افشاء السلام**۔

(۲) بخاری، حدیث نمبر:۹۵۔

(۳) فتح الباری ۱/ ۱۸۹، **باب من اعاد الحدیث ثلاثا لیفھم**۔

لَوْ سَلَّمَ وَظَنَّ أَنَّهُ لَمْ يُسْمَعْ فَتُسَنُّ الْإِعَادَةُ فَيُعِيدُ مَرَّةً ثَانِيَةً وَثَالِثَةً وَلَا يَزِيدُ عَلَى الثَّالِثَةِ-(۱)

اگر کسی کو سلام کیا اور یہ گمان ہو کہ مخاطب سن نہیں سکا تو دوبارہ اور سہ بارہ سلام کرنا مسنون ہے؛ مگر تین سے زائد بار نہ کرے۔

نماز میں مشغول شخص کو سلام

نماز میں مشغول شخص کو سلام نہیں کرنا چاہیے، فقہاء نے لکھا ہے کہ نماز میں مشغول شخص کو سلام کرنا مکروہ ہے، علامہ زیلعی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

وَيُكْرَهُ السَّلَامُ عَلَى الْمُصَلِّي-(۲)

نماز میں مشغول شخص کو سلام کرنا مکروہ ہے

اور علامہ حلبی علیہ الرحمۃ کے واسطے سے علامہ ابن عابدین علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

نماز میں مشغول شخص کو سلام کرنے والا گنہگار ہوگا۔(۳)

اس کے باوجود اگر کوئی سلام کر بیٹھے تو نماز پڑھنے والا زبان سے جواب نہ دے؛ کیونکہ نماز کے دوران سلام کا جواب دینا گویا نماز میں گفتگو کرنا ہے اور اس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے؛ اس لیے زبان سے سلام کا جواب نہ دے(۴)

اشارہ سے جواب دے سکتا ہے؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زبان سے تو سلام کا جواب نہیں دے گا؛ لیکن اشارہ سے جواب دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ امام مالک، امام شافعی، امام اسحاق اور امام ابوثور رحمہم اللہ کا کہنا ہے کہ اشارہ سے سلام کا جواب دیدے؛ چنانچہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اس حال میں گذرا کہ آپ نماز میں مشغول تھے، میں نے اسی حالت میں

---

(۱) فتح الباری ۱۱/۲۷، باب التسلیم والاستیذان ثلاثا۔
(۲) تبیین الحقائق ۱/۱۵۷، باب مایفسد الصلاۃ۔
(۳) شامی ۱/۶۱۸، باب مایفسد الصلاۃ۔
(۴) حوالہ سابق۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوسلام کیا تو آپ نے اشارہ سے میرے سلام کا جواب دیا۔(۱) نیز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ مسجد قبا میں نماز پڑھنے کے لیے تشریف لے گئے، اتنے میں حضراتِ انصار آ گئے، انھوں نے نماز کے دوران ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوسلام کیا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ نماز کے دوران جب کوئی آپ ﷺ کوسلام کرتا تو آپ کس طرح جواب دیا کرتے تھے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاتھ کے اشارہ سے جواب دیا کرتے تھے۔(۲) ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے، حضرت موسی بن جمیل رحمہ اللہ نے ان کوسلام کیا تو آپ نے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے پکڑ لیا اور یہی موسیٰ بن جمیل رحمہ اللہ کے سلام کا جواب تھا۔(۳)

بعض حضرات کا خیال ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد سلام کا جواب دے، نماز کے دوران اشارہ سے بھی سلام کا جواب نہ دے؛ اسی کے قائل ابوذر، عطاء، نخعی اور علامہ داؤد رحمہم اللہ ہیں۔(۴) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں ہم لوگ نماز میں سلام کیا کرتے تھے اور بعض ضروری گفتگو بھی کرلیا کرتے تھے، ایک مرتبہ آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، میں حاضرِ خدمت ہوا اور دستورِ سابق کے مطابق میں نے آپ کوسلام کیا؛ لیکن آپ نے سلام کا جواب نہیں دیا، اب مجھے فکر ہوئی کہ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ناراض تو نہ ہو گئے اور نئی پرانی ہر طرح کی باتیں ذہن میں آنے لگیں، جب آپ نماز پوری فرما چکے تو ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے احکام میں حسبِ منشا تبدیلی کرتا ہے، اب اللہ نے یہ حکم نازل فرمایا ہے کہ نماز میں گفتگو نہ کی جائے، اس کے بعد آپ نے میرے سلام کا جواب دیا۔(۵) اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا، آپ نے مجھے ایک ضرورت کے تحت ایک جگہ بھیجا، جب میں واپس آیا تو آپ اپنی سواری پر نماز پڑھ رہے تھے اور سواری قبلہ کے علاوہ

---

(۱) سنن ابوداؤد، حدیث نمبر: ۹۲۵۔
(۲) سنن ابوداؤد، حدیث نمبر: ۹۲۷۔
(۳) المغنی لابن قدامہ: ۲/۴۶، **فصل اذسلم علی المصلی۔**
(۴) حوالہ سابق۔
(۵) سنن ابوداؤد، حدیث نمبر: ۹۲۴۔

دوسرے رُخ پر چل رہی تھی، میں نے اسی حالت میں آپ کو سلام کیا؛ لیکن آپ نے سلام کا جواب نہیں دیا؛ پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا:

إِنَّهُ لَمْ يَمْنَعْنِي أَنْ أَرُدَّ عَلَيْكَ إِلَّا أَنِّي كُنْتُ أُصَلِّي - (۱)

مجھے تمہارے سلام کا جواب دینے سے مانع صرف نماز میں مشغول ہونا تھا۔

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے دوران اشارہ سے بھی سلام کا جواب نہیں دینا چاہیے، نماز کے بعد ہی جواب دینا بہتر ہے، احناف کے یہاں اس مسئلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے، امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کی رائے یہ ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد سلام کا جواب دینا ضروری نہیں ہے، دل ہی دل میں جواب دے دے؛ کیونکہ سلام کرنے والے نے بے موقع سلام کیا ہے؛ لہٰذا وہ جواب کا مستحق نہیں ہے؛ چنانچہ بعض روایات میں سلام کا جواب نہ دینے کا بھی ذکر ہے۔(۲) اور امام محمد علیہ الرحمہ سے منقول ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد سلام کا جواب دے گا اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ نہ تو نماز کے دوران سلام کا جواب دے اور نہ ہی نماز کے بعد اور یہی موقف علامہ ابن عابدین علیہ الرحمہ کی تصریح کے مطابق راجح ہے۔(۳)

تلاوت کرنے والے کو سلام

قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول شخص کو سلام کرنے سے احتراز کرنا چاہیے، علامہ واقدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ایسے حضرات کو سلام نہ کرنا اولیٰ و بہتر ہے؛ لیکن اگر کوئی سلام کر ہی لے تو اس کا جواب اشارہ سے دے دینا کافی ہے اور اگر زبان سے جواب دیا تو چونکہ جواب کلام کے قبیل سے ہے؛ اس لیے اب پھر کلام پاک کی تلاوت شروع کرے تو **اَعُوْذُ بِاللّٰہِ** پڑھ کر شروع کرے؛ لیکن علامہ نووی علیہ الرحمہ اس رائے سے خوش نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ قرآنِ پاک کی تلاوت کرنے والے کو بھی سلام کرنا چاہیے اور ان پر بھی سلام کا جواب دینا واجب ہے۔(۴) احناف میں علامہ زیلعی علیہ الرحمہ نے قرآن پاک

(۱) مسلم شریف، حدیث نمبر: ۵۴۰۔
(۲) حوالہ سابق۔
(۳) شامی ۱/۳۹۷، فائدہ: **التسلیم بعد الاذان**۔
(۴) فتح الباری: ۱۱/۲۰، **باب افشاء السلام**۔

کی تلاوت میں مشغول حضرات کو سلام کرنا مکروہ قرار دیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

وَيُكْرَهُ السَّلَامُ عَلَى الْمُصَلِّي وَالْقَارِئِ-(۱)

نماز اور تلاوت قرآن میں مشغول حضرات کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

اور علامہ ابن عابدین علیہ الرحمۃ نے علامہ حلبی علیہ الرحمۃ سے نقل کیا ہے کہ قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول حضرات کو سلام کرنا باعثِ گناہ ہے؛ کیونکہ وہ محلِ سلام نہیں ہے اور اس کی توجہ کو تلاوت سے ہٹانا ہوگا؛ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

يَأْثَمُ بِالسَّلَامِ عَلَى الْمَشْغُولِينَ بِالْخُطْبَةِ أَوْ الصَّلَاةِ أَوْ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ-(۲)

جو حضرات خطبہ دینے میں مشغول ہوں یا نماز یا قرأتِ قرآن میں مشغول ہوں اُن کو سلام کرنے سے سلام کرنے والے کو گناہ ہوگا۔

اور جہاں تک تلاوت کرنے والے کو سلام کا جواب دینے کی بات ہے تو علامہ زیلعی علیہ الرحمۃ نے یہ لکھا ہے کہ واجب نہیں ہے۔(۳) اور علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے بھی ''شرح شرعۃ الاسلام'' کے حوالے سے یہی بات لکھی ہے۔(۴)

خطبہ سننے والوں کو سلام

خطبہ سننے میں مشغول حضرات کو بھی سلام نہیں کرنا چاہیے؛ کیونکہ اس سے سننے میں خلل ہوگا، سلام بعد میں بھی ہوسکتا ہے؛ لیکن خطبہ کا سننا بعد میں نہیں ہوسکتا اور اگر کسی نے سلام کر دیا تو اس کا جواب دینا ضروری نہیں ہے۔(۵) خواہ سننے والا خطیب سے قریب ہو یا دور ہو، وہ خطیب کی آواز سن رہا ہو یا نہ سن رہا ہو۔(۶)

---

(۱) تبیین الحقائق ۱/۱۵۷، باب مایفسد الصلاۃ۔
(۲) شامی ۱/۶۱۸، باب مایفسد الصلاۃ۔
(۳) تبیین الحقائق ۱/۱۵۷، باب مایفسد الصلاۃ۔
(۴) شامی ۱/۶۱۸، باب مایفسد الصلاۃ۔
(۵) شامی ۱/۴۹۶، فروع قرأ بالفارسیۃ۔
(۶) درمختار مع الشامی ۱/۵۴۵، فصل فی القرأۃ۔

امام احمد علیہ الرحمہ سے دو روایتیں ہیں، اثرم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد علیہ الرحمہ سے یہ سنا ہے کہ دورانِ خطبہ بھی سننے والا جواب دے گا، اس کے قائل حضرت حسن بصری، شعبی، نخعی، حکم، قتادہ، نووی اور اسحاق بن راھویہ رحمہم اللہ ہیں، ان حضرات کا کہنا ہے کہ سلام کا جواب دینا واجب ہے؛ لہٰذا اس پر عمل دورانِ خطبہ بھی کرنا چاہیے اور دوسری روایت کے مطابق اگر خطیب سے دور ہو اور خطبہ نہ سن رہا ہو تو سلام کا جواب دے؛ ورنہ نہ دے، ابوطالب علیہ الرحمہ امام احمد علیہ الرحمہ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ جب تم خطبہ کو سنو تو غور سے اور خاموشی سے سنو اور اس دوران نہ قرأت کرو اور نہ چھینکنے والے کی چھینک کا جواب دو اور اگر خطبہ کی آواز تم تک نہ پہونچ رہی ہو تو قرأت بھی کر سکتے ہو، چھینکنے والے کی چھینک کا جواب بھی دے سکتے ہو اور سلام کا جواب بھی دے سکتے ہو، ابوداؤد علیہ الرحمہ نے بھی امام احمد علیہ الرحمہ سے یہی نقل کیا ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے؛ یہی امام مالک، امام اوزاعی رحمہما اللہ کا مذہب اور امام شافعی علیہ الرحمہ کا ایک قول یہی ہے اور دوسرا قول احناف کے مطابق مطلقاً جواب نہیں دینا ہے۔(۱)

وعظ وتقریر کے دوران سلام

وعظ وتقریر کے دوران اگر کوئی آئے تو اُسے سلام نہیں کرنا چاہیے؛ تاکہ واعظ اور سامعین کی توجہ نہ بٹے، ہاں اگر احوال وقرائن سے معلوم ہوجائے کہ سلام کرنے سے کچھ حرج نہ ہوگا تو سلام کرسکتا ہے؛ مثلاً واعظ سے ہی بہت اہم کام ہو، اُسے کچھ بتانا ہو۔

ویکرہ السلام......علی خطیب وواعظ، وعلی من یستمع للمذکورین-(۲)

وعظ وتقریر اور کسی امر کی عام اشاعت اور اعلان سے قبل سلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنھم وتابعین وسلف صالحین سے ثابت نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام سے خطبات ماثورہ ثابت ہیں؛ مگر اِن سے قبل سلام کہیں منقول نہیں۔(۳)

---

(۱) المغنی لابن قدامہ: ۲/ ۲۴۰، **فصل الکلام الواجب کتحذیر الضریر من البئر۔**

(۲) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۲۶۸۵۔

(۳) احسن الفتاوی ۸/ ۱۳۸۔

درس وتدریس کے وقت سلام کرنا

جو لوگ پڑھتے پڑھاتے ہوں یا ان کے درمیان علمی گفتگو ہورہی ہو تو آنے والا ان لوگوں کو سلام نہ کرے۔

ویکرہ السلام... عند مذاکرۃ العلم وعند الأذان والإقامۃ، والصحیح أنہ لا یرد في ہذہ المواضع کلہا۔(۱)

درجِ ذیل حضرات کو سلام نہ کیا جائے

افشاءِ سلام تو مامور بہ ہے، سلام ہر کس وناکس کو کرنا چاہئے، بشرطیکہ وہ مسلمان ہو، خواہ وہ شناسا ہو یا اجنبی؛ لیکن اس حکم سے بعض حضرات خاص عوارض کی وجہ سے مستثنیٰ ہیں، جب کہ کچھ کا تذکرہ سطورِ بالا میں آچکا ہے، حافظ بن حجر علیہ الرحمہ، علامہ نووی علیہ الرحمہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جو کھانے پینے میں مشغول ہو، بیت الخلاء یا حمام میں ہو، سویا ہوا ہو یا اُونگھ رہا ہو، یا نماز و اذان میں مشغول ہو تو اسے سلام نہیں کرنا چاہیے۔(۲)

اور علامہ سیوطی علیہ الرحمہ نے ایک نظم میں ان حضرات کی نشاندہی کی ہے جن کو سلام نہیں کرنا چاہیے، ان میں تلاوت، دُعا، ذکر، خطبہ اور اقامت میں مشغول انسان بھی ہیں کہ ان کو سلام نہیں کرنا چاہیے اور نہ ان پر سلام کا جواب دینا واجب ہے، اسی طرح بچے، نشہ زدہ اور فاسق کے سلام کا جواب دینا بھی واجب نہیں ہے، جوان خاتون جس کے سلام کا جواب دینے میں فتنہ کا اندیشہ ہو، اس کا جواب دینا بھی ضروری نہیں ہے، اسی طرح جو مجنون ہو، اُونگھ رہا ہو یا سو رہا ہو، یا جو جماع میں مشغول ہو، یا حمام میں ہو ان سب پر سلام کا جواب دینا ضروری نہیں ہے۔(۳)

مرد کا کسی خاتون کو سلام کرنا

حضرت اسماء بنتِ یزید رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے پاس سے

---

(۱) ہندیہ: ۵/۳۲۵۔
(۲) فتح الباری ۱۱/۱۹، باب افشاء السلام۔
(۳) شامی ۱/۶۱۸، باب مایفسد الصلاۃ۔

گذرے تو ان کو سلام کیا۔(۱) اس حدیث سے بعض حضرات نے یہ استدلال کیا ہے کہ مرد کا خاتون کو سلام کرنا درست ہے، اسی طرح ان حضرات نے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے جسے ابن سنی علیہ الرحمۃ نے عمل الیوم واللیلۃ میں ذکر کیا ہے، حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

يُسَلِّمُ الرِّجَالُ عَلَى النِّسَاء -(۲)

مرد، عورتوں کو سلام کر سکتا ہے۔

لیکن حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے اس حدیث کی سند کے متعلق لکھا ہے:

وَسَنَدُهُ وَاهٍ - (۳)

اس حدیث کی سند نہایت کمزور ہے۔

البتہ عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی روایت موقوفاً مروی ہے اور اس کی سند جید ہے۔(۴) مگر علامہ ہیثمی علیہ الرحمۃ کا کہنا ہے کہ ان روایات کی سند خواہ جیسی بھی ہوں عام مردوں کے لیے خاتون کو سلام کرنے کو جائز قرار دینے کے لیے کافی نہیں ہے؛ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم تھے، فتنہ سے محفوظ تھے، اگر کوئی واقعی سلام کرنے کی صورت میں فتنہ میں مبتلا نہ ہو تو اسے گنجائش ہے؛ لیکن جسے خوف ہو اس کا خاموش رہنا ہی ضروری ہے۔(۵)

کسی خاتون کا مرد کو سلام کرنا

اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو خاتون مرد کو سلام کر سکتی ہے، حضرت اُم ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں فتح مکہ کے موقع سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ اس وقت غسل فرما رہے تھے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کپڑوں سے پردہ کئے ہوئی تھیں، میں نے اسی حالت

(۱) سنن ابوداؤد، حدیث نمبر: ۵۲۰۴۔
(۲) عمل الیوم واللیلۃ، لابن السنی، حدیث نمبر: ۲۴۴۔
(۳) فتح الباری ۱۱/ ۳۴۔
(۴) حوالہ سابق۔
(۵) حوالہ سابق۔

میں آپ کوسلام کیا،آپ نے دریافت کیا کون؟ میں نے عرض کیا: اُمّ ہانی بنت ابی طالب ہوں، یہ سن کرآپ نے خوشی کا اظہار فرمایا۔(۱)

کثرت سے سلام کرنے میں خواتین کی کوتاہی

جو شخص بھی ملے اوراس کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ مسلمان ہے تو ایک مسلمان کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اُسے سلام کرے، وقت ہو تو خیریت بھی معلوم کرے، یہ حکم مردوں کے لئے ہی نہیں ہے؛ بلکہ عورتیں بھی اِس حکم میں داخل ہیں،ان کے لئے بھی یہ حکم ہے کہ مسلمان خاتون کو سلام کریں،خواہ آپس میں شناسائی اور دوستی ہو یا نہ ہو، رشتہ داری ہو یا نہ ہو،اگر ایک ہی خاتون سے تھوڑی دیر پہلے ملاقات ہوئی تھی اس کے بعد پھر ملاقات ہوگئی تو پھر سلام کریں، یہ نہیں کہ صبح جو ایک مرتبہ ملاقات ہوئی تھی اس وقت سلام کرلیا اور شام کو پھر ملاقات ہورہی ہے تو بغیر سلام کئے گفتگو شروع کردی،عموماً خواتین میں اِس حوالے سے کوتاہی پائی جاتی ہے،اُن میں سلام کی عادت نہیں ہوتی ہے؛اِس لیے خواتین کو اِس حوالے سے پابند بنانا چاہیے اور انہیں پابند بنانے کے لیے خود گھر کے بڑوں کو اِس کا پابند بننا ہوگا،حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

> عورتوں میں السلام علیکم کہنے کا اور مصافحہ کرنے کا رواج نہیں ہے، یہ دونوں باتیں ثواب کی ہیں،اِن کو پھیلانا چاہیے۔(۲)

بہرا کو سلام

بہرے کے کان تک چونکہ آواز نہیں پہونچ پاتی؛اس لیے ان کو سلام کرتے وقت ہاتھ سے بھی اشارہ کرنا چاہیے؛ تاکہ وہ سمجھ سکے کہ مجھے سلام کیا جارہا ہے اور مجھے اس کا جواب دینا ہے،اگر کسی نے صرف زبان سے سلام کیا اور اشارہ نہیں کیا تو چونکہ وہ سلام کو سمجھا ہی نہیں ؛اس لیے اس پر جواب دینا واجب نہیں ہے،اسی طرح اگر کسی بہرے نے کسی آدمی کو سلام کیا تو اس کا جواب زبان سے دینے کے ساتھ اشارہ سے بھی دے؛ تاکہ وہ سمجھ سکے کہ میرے سلام کا

(۱) بخاری،حدیث نمبر:۳۱۷۱۔
(۲) بہشتی زیور کامل ۵ / ۲۹۴۔

جواب دے دیا ہے۔(۱)

گونگا کو سلام

گونگا چونکہ بولنے پر قادر نہیں ہوتا ہے؛ اس لیے اگر اسے کوئی سلام کرے اور اس نے ہاتھ کے اشارے سے جواب دے دیا تو شرعاً یہ معتبر ہے اور اس سے فریضہ ساقط ہوجائے گا؛ کیونکہ اس کا اشارہ کلام کے قائم مقام ہے، اسی طرح اگر کسی گونگے نے اشارہ سے سلام کیا تو اس کا جواب دینا بھی ضروری ہے؛ کیونکہ شرعاً اس کی جانب سے یہ سلام معتبر ہے؛ لہٰذا اس کا جواب دینا ضروری ہے۔(۲)

سلام اگر مجمع کو کیا جائے تو؟

جب کوئی آدمی کسی مجلس کے پاس سے گذرے تو مجلس میں بیٹھے ہوئے افراد کے لحاظ سے سلام کرنا اس پر لازم نہیں ہے۔ معتدل آواز کے ساتھ سلام کرے، اگر سب تک آواز پہونچ جائے تو بہت اچھا؛ ورنہ جن تک آواز پہونچ جائے کافی ہے۔ جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے جب فرشتوں کی جماعت کو سلام کیا تھا تو سب کو ایک ہی بار سلام کیا تھا۔ ان کی تعداد کے بقدر سلام نہیں کیا تھا۔(۳) البتہ مجمع کو سلام عمومی انداز سے کرے، اس میں سے کسی کی تخصیص نہ کرے؛ کیونکہ سلام کی مشروعیت کا مقصد محبت و الفت کو رواج دینا ہے اور تخصیص کی صورت میں دوسرے حضرات کے دل میں رنج و تکلیف پیدا کرنا ہے؛ اسی لیے تخصیص کے ساتھ سلام کرنے کو ابوسعد متولی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مکروہ قرار دیا ہے۔(۴)

اہل مجلس میں سے ہر ایک کو سلام

بعض علاقوں میں جب کوئی رشتہ دار اور عزیز کسی کے گھر آتا ہے تو بوقت ملاقات وہ سب کو الگ الگ سلام کرتا ہے؛ حالاں کہ وہ لوگ ایک ہی مجلس میں ہوتے ہیں، ایسی صورت

---

(۱) الاذکار للنووی ۱/ ۲۴۸، تحقیق: شعیب الارناؤوط۔
(۲) حوالہ سابق۔
(۳) بخاری، حدیث نمبر: ۳۳۲۶۔
(۴) الاذکار للنووی ۱/ ۲۵۶۔

میں سب کو الگ الگ سلام کرنا ضروری نہیں ہے، علامہ شامی نے لکھا ہے کہ ایک ہی مجلس میں اگر کوئی دوبارہ سلام کردے تو جواب دینا واجب نہیں ہے۔(۱)؛لہٰذا یہ رواج قابلِ ترک ہے، ایک سلام کافی ہے؛ ہاں اگر سب سے الگ الگ وقت میں ملاقات ہوتو الگ الگ سلام کرے۔

بہت سے حضرات کسی مجمع پر سے گذریں تو؟

بہت سے حضرات کسی ایسے مجمع کے پاس سے گذریں جن کی تعداد گذرنے والوں کے مقابلہ میں کم ہوتو سلام گذرنے والوں کو کرنا چاہئے یا بیٹھے ہوئے مجمع کو جو افراد کے لحاظ سے کم ہے؟ حافظ بن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس صورت کا حکم نص میں بیان نہیں کیا گیا ہے۔(۲) البتہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں گذرنے والے سلام میں سبقت کریں گے اور استدلال میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى المَاشِي، وَالمَاشِي عَلَى القَاعِدِ، وَالقَلِيلُ عَلَى الكَثِيرِ۔ (۳)

سوار پیدل چلنے والے کو اور پیدل چلنے والے بیٹھے ہوئے کو اور قلیل کثیر کو سلام کرے۔

حدیث بالا سے مذکورہ مسئلہ پر استدلال اس طرح کیا گیا ہے کہ گذرنے والے کو یہ حکم ہے کہ بیٹھے لوگوں کو سلام کرے، اس میں قلیل وکثیر کی قید نہیں ہے؛ لہٰذا گذرنے والا خواہ قلیل ہو یا کثیر بہرحال وہ بیٹھے لوگوں کو سلام کرے گا، خواہ ان کی تعداد ان کے مقابلہ میں کم ہو یا زیادہ؛ اس لیے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

الْوَارِدَ يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ سَوَاءٌ كَانَ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا قَلِيلًا أَوْ كَثِيرًا۔ (۴)

آنے والے کو سلام کرنا چاہیے، خواہ آنے والا چھوٹا ہو یا بڑا، ان کی تعداد

---

(۱) شامی ۹/۵۹۷۔
(۲) فتح الباری ۱۱/۱۶ باب التسلیم الصغیر الخ۔
(۳) بخاری، حدیث نمبر: ۶۲۳۰۔
(۴) المجموع ۴/۵۹۹، صفة السلام واحکامه۔

تھوڑی ہو یا زیادہ۔

اور مہلب علیہ الرحمہ نے گذرنے والے کو گھر میں آنے والوں کے حکم میں مانا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ جس طرح گھر میں آنے والا شخص گھر والوں کو سلام کرے گا خواہ گھر کے افراد کم ہوں یا زیادہ، اسی طرح گذرنے والا بھی بیٹھے ہوئے شخص کو سلام کرے گا، خواہ بیٹھے ہوئے شخص کی تعداد کم ہی کیوں نہ ہو۔(۱)

سوار پیدل چلنے والے کو سلام کرے

سوار کو پیدل چلنے والے پر ایک گونہ فضیلت ہے، اگر پیدل چلنے والے کو سلام کرنے کا مکلف بنایا جائے تو ممکن ہے کہ سوار کے اندر ایک قسم کا عجب پیدا ہو جائے؛ اس لیے اس کے اندر تواضع کی صفت پیدا کرنے کے لیے حکم دیا گیا کہ تم پیدل چلنے والے کو سلام کرو، نیز پیدل چلنے والے اور سوار کا جب آمنا سامنا ہوتا ہے تو عام طور پر سوار کا رعب پیدل چلنے والے پر پڑتا ہے اور یہ اس سے خوف محسوس کرتا ہے، سوار کو سلام کرنے کا پابند بنا کر درحقیقت پیدل چلنے والے سے اسی وحشت و خوف کو دور کرنا ہے، کیونکہ مقاصد سلام میں سے یہ بھی ایک مقصد ہے۔(۲) اسی لیے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى المَاشِي(۳)

سوار پیدل چلنے والے کو سلام کرے۔

پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے شخص کو سلام کرے

بیٹھے ہوئے شخص کو گذرنے والے شخص سے ایذاء پہنچنے کا کسی نہ کسی درجہ میں اندیشہ ہوتا ہے، خصوصاً جبکہ وہ سوار بھی ہو، ایسی صورت میں جب گذرنے والا سلام کرے گا تو گویا وہ بیٹھے ہوئے شخص کو امن دے رہا ہے اور اس کے حق میں انسیت کا اظہار کر رہا ہے، نیز تکمیل ضروریات کے لیے از خود ادھر ادھر جانا بے حیثیت لوگوں کا کام ہوتا ہے جس کی بناء پر ایک گونہ فضیلت بیٹھے

---

(۱) فتح الباری ۱۱/ ۱۷۔ **تسلیم الصغیر الخ۔**

(۲) فتح الباری ۱۱/ ۱۷۔ **باب یسلم الصغیر۔**

(۳) بخاری، حدیث نمبر: ۶۲۳۲۔

ہوئے شخص کو حاصل ہے، اس وجہ سے گذرنے والے کو حکم دیا گیا کہ وہ بیٹھے ہوئے شخص کو سلام کرے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى المَاشِي، وَالمَاشِي عَلَى القَاعِدِ۔

(۱)

سوار پیدل چلنے والے کو اور پیدل چلنے والے بیٹھے ہوئے شخص کو سلام کرے۔

نیز پیدل چلنے والے کو پابند اس لیے بھی بنایا گیا کہ بیٹھے ہوئے شخص کے پاس سے گذرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے؛ کیونکہ گذرگاہ تو گذرنے کے لیے ہی ہوتی ہے؛ لہذا ان سب کی رعایت کرنا اور سب کو سلام کرنا بیٹھے ہوئے شخص کے لیے ایک مشکل امر ہے؛ لہٰذا اس مشقت کو دفع کرنے کے لیے اس کو سلام کی ابتدا کرنے کا مکلف نہیں بنایا گیا اور گذرنے والوں کے حق میں چونکہ مشقت کا نہ ہونا ظاہر ہے؛ اس لیے اس کو سلام کرنے کا مکلف بنایا گیا۔ (۲)

حدیث میں ذکر کردہ تفصیل کے خلاف سلام کرے تو؟

حدیث کی روشنی میں اوپر جو تفصیلات ذکر کی گئیں کہ کن کن حضرات کو سلام کرنے میں ابتدا کرنا چاہئے ، اگر کوئی شخص اس کی خلاف ورزی کر بیٹھے، جیسے ابتداء بالسلام کرنے کے بجائے وہ خاموش رہا اور دوسرے نے ابتداء بالسلام کر دیا تو وہ ایک مستحب عمل کا تارک کہلائے گا اور جہاں تک غیر مامور شخص کے سلام کرنے کی بات ہے تو وہ چونکہ افشاء سلام کے ایک شرعی حکم پر عمل کر رہا ہے؛ اس لیے اس کے حق میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے؛ البتہ غیر مامور نے اگر سبقت سے کام لیا اور مامور شخص کو موقع نہیں دیا تو یہ تارک مستحب ہوگا؛ لیکن متولی علیہ الرحمۃ کا کہنا ہے کہ اگر مامور نے حدیث کے خلاف کیا تو اس کا یہ فعل کراہت سے خالی نہ ہوگا اور سستی ولا پرواہی کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔ (۳)

---

(۱) بخاری، حدیث نمبر: ۶۲۳۲۔

(۲) فتح الباری ۱۱/۱۷، **باب یسلم الصغیر الخ۔**

(۳) فتح الباری ۱۱/۱۷، **باب یسلم الصغیر الخ۔**

مصروف راستہ سے گذرنے والوں کوسلام

اگر کوئی مصروف راستہ پر اپنی کسی ضرورت سے جارہا ہو، یا بازار میں کسی ضرورت کی خاطر جانا ہوتو ہر کس وناکس کوسلام کرنا ضروری نہیں ہے؛ کیونکہ ایسی صورت میں اس کے کام کا حرج ہوگا؛ نیز عرفاً بھی اسے ضروری نہیں سمجھا جاتا ہے؛ اس لیے اس عرف اور حرج کے مدنظر ہر ایک کوسلام کرنا ضروری نہیں ہے۔(۱) البتہ اگر بازار جانے کی غرض صرف سلام کرنا اور اس پر ملنے والے ثواب کو حاصل کرنا ہوتو پھر ہر ایک کوسلام کرنا چاہیے، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت طفیل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صبح سویرے میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بازار جایا کرتا تھا، آپ جب کسی بائع ومشتری یا کسی اور صاحب کے پاس سے گذرتے تو انھیں سلام کرتے، ان کا یہی معمول تھا، میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ بازار کیوں تشریف لے جاتے ہیں، جب کہ آپ خرید وفروخت نہیں کرتے ہیں، نہ کسی چیز کی قیمت معلوم کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہم بازار لوگوں کوسلام کرنے کی غرض سے جاتے ہیں۔(۲)

دوسوار گذریں توسلام کون کرے؟

اگر دوسوار کی آپس میں ملاقات ہو یا پیدل چلنے والوں کا آمنا سامنا ہوجائے توان میں سے سلام میں پہل کون کرے؟ حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے تصریح کی ہے کہ یہ صورت منصوص نہیں ہے کہ دوٹوک انداز میں کوئی بات کہی جائے؛ البتہ علامہ مازری علیہ الرحمۃ کا خیال ہے کہ ان دونوں میں دینی مقام ومرتبہ کے لحاظ سے جوکم تر ہوں وہ اپنے سے اعلیٰ کوسلام کرے؛ کیونکہ اس سے ان کے مقام اور بزرگی کا اظہار واعتراف ہوگا اور شرعاً یہ مطلوب بھی ہے، اسی طرح اگر دوسوار کی آپس میں ملاقات ہوجائے اور دینی لحاظ سے کسی کا مقام بظاہر اعلیٰ وافضل نہ ہوتو سواری کو دیکھا جائے کہ بظاہر سواری کس کی اعلیٰ اور کس کی کمتر ہے، مثلاً ایک شخص اونٹ پر سوار ہے اور دوسرا گھوڑے پر سوار ہے، تو گھوڑ سوار سلام میں پہل کرے گا؛ البتہ دنیوی لحاظ سے جو بڑا ہو سلام کرنے میں اس کا لحاظ نہ ہوگا؛ لہٰذا ایک شخص دینی لحاظ سے اونچا مقام رکھتا ہے اور دوسرا دنیوی اعتبار سے اونچے

(۱) فتح الباری ۱۱/ ۱۷، باب **يسلم الصغير**۔
(۲) الاذکار للنووی ۱/ ۲۴۳، باب **كيفية السلام**، تحقیق: شعیب الارناؤط۔

منصب پر فائز ہے تو بھی یہ شخص دینی لحاظ سے اونچے مقام ومنصب والے کوسلام کرنے میں پہل کرے گا؛ البتہ سلام نہ کرنے کی صورت میں اگر اس دنیادار شخص سے کوئی تکلیف پہونچنے کا اندیشہ ہوتو پھر دیندار کوسلام کرنے میں پہل کرلینا چاہیے۔(۱)

ہر لحاظ سے مساوی شخص کا آمنا سامنا ہوتو؟

اگر کوئی کمتر اور دوسرا اعلیٰ ہوتو احادیث کی روشنی میں اعلیٰ کے لیے یہ حکم ہے کہ وہ کمتر کوسلام کرے؛ لیکن مقام ومنصب کے لحاظ سے اگر دونوں مساوی ہوں اور کوئی ایک دوسرے سے کمتر نہ ہوتو پھر دونوں ایک دوسرے کوسلام کرنے میں پہل کرے اور ان دونوں میں بہتر شخص وہی کہلائے گا جوسلام کرنے میں پہل کرے گا۔(۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پاؤں پیدل چلنے والوں کا جب آمنا سامنا ہوجائے تو ان میں سے جوسلام کی ابتداء کرے گا وہ افضل ہے۔(۳)

افضل شخص کا سلام کرنے میں پہل

حدیث میں افضل ومفضول کی جوتفصیل پیش کی گئی ہے، اس کی رعایت نہ کرکے اگر افضل ہی مفضول کوسلام کرنا شروع کردے اور سلام میں پہل کرنے کی جوفضیلت ہے اسے حاصل کرنے میں سبقت سے کام لے تو کوئی حرج نہیں ہے، حضرت اغر مزنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک انصاری صحابی سے کچھ کھجور لینے کا حکم دیا؛ لیکن انہوں نے ٹال مٹول سے کام لیا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی، آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان کے ساتھ جاؤ اور اس انصاری صحابی سے ان کو کھجور دلادو، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جانے کا وقت بعد نماز صبح طے کیا اور فرمایا کہ مسجد نبوی میں فلاں جگہ پر تم مجھ سے ملو؛ چنانچہ حسبِ وعدہ وہ بعد نماز صبح اسی مقام پر تھے، ہم دونوں انصاری صحابی کے مکان کی طرف چلے، راستہ میں جس شخص پر بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نظر پڑتی خواہ وہ ابھی ان سے دور ہی ہوتا؛ مگر آپ ان کوسلام کرتے، آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس میں بڑی فضیلت ہے، سلام کرنے میں تم سے کوئی پہل نہ کیا

(۱) فتح الباری ۱۱/۱۶۔
(۲) حوالہ سابق۔
(۳) الادب المفرد، حدیث نمبر: ۹۹۴۔

کرے، اغر مزنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے جو بھی مجھے نظر آتا میں ان کو سلام کرنے میں پہل کرتا۔(۱) اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ دو آدمیوں کی آپس میں ملاقات ہو تو سلام میں پہل کون کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ قریب شخص ہوگا وہی سلام میں پہل کرے گا۔(۲) اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ ہی کی ایک روایت میں ہے کہ سلام میں پہل کرنے والا اللہ اور اُس کے رسول دونوں سے قریب ہے۔(۳) حضرت بشیر بن یسار علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے سلام کرنے میں کوئی پہل نہیں کرپاتا تھا۔(۴)

محمد بن زیاد علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ حضرت ابواُمامہ باہلی علیہ الرحمۃ ہر ایک کو سلام کرنے میں پہل کیا کرتے تھے، میرے علم میں نہیں ہے کہ کسی نے سلام کرنے میں اُن سے سبقت کی ہو؛ البتہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ایک یہودی ستون کے پیچھے چھپ گیا، وہاں سے جب گذر حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ کا ہوا تو اس کو نہ دیکھ سکے، وہ اچانک نمودار ہوا اور آپ کو سلام کیا، آپ نے چھپنے اور پھر سلام کرنے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ میں ہمیشہ آپ کو سلام کرنے میں پہل کرتے ہوئے دیکھتا ہوں، اس سے مجھے محسوس ہوا کہ اس میں کوئی فضیلت ضرور ہے، مجھے یہ خواہش ہوئی کہ اس فضیلت کو میں بھی حاصل کروں (۵) خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول بھی سلام میں پہل کرنے کا تھا۔(۶) حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ جب ہماری ملاقات کسی سے ہو تو ہم میں سے کون سلام کی ابتداء کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اطوعکم للہ۔**(۷) جو اللہ تعالیٰ کا زیادہ فرمانبردار ہوگا (وہ سلام میں پہل کرے)

---

(۱) معجم کبیر للطبرانی، حدیث نمبر: ۸۸۹۔
(۲) سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۲۶۹۴۔
(۳) معجم کبیر للطبرانی، حدیث نمبر: ۷۸۱۴۔
(۴) الادب المفرد، حدیث نمبر: ۹۸۲۔
(۵) معجم کبیر للطبرانی، حدیث نمبر: ۷۵۱۸۔
(۶) معجم کبیر للطبرانی، حدیث نمبر: ۴۱۴۔
(۷) فتح الباری ۱۱/۱۶۔

ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ افضل ومفضول کی تفصیل میں جائے بغیر سلام کرنے میں پہل کرنے کی عادت ڈالی جائے، اس میں بڑی فضیلت ہے، اس فضیلت کو حاصل کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت ابوامامہ باہلی اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے خاص اہتمام فرمایا ہے۔

مبتدع اور فاسق کو سلام

جمہور کا مسلک یہ ہے کہ ان دونوں کو سلام نہ کیا جائے، امام نووی علیہ الرحمۃ نے اس میں تھوڑی تفصیل یہ کی ہے کہ اگر ان کو سلام نہ کرنے میں دینی یا دنیاوی نقصان کا خوف ہو تو سلام کر لے؛ یہی موقف علامہ ابن عربی رحمہ اللہ کا بھی ہے؛ البتہ انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ان کو سلام کرتے وقت یہ نیت کرے کہ سلام اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارا نگران ہے، علامہ مہلب علیہ الرحمۃ کا کہنا ہے کہ اہلِ معاصی کو سلام نہ کرنا سلفِ صالحین کا طریقہ رہا ہے، اہلِ معاصی میں مروت کے خلاف کام کرنے والے مثلاً کثرت مزاح کے عادی حضرات، لہوولعب اور فحش باتوں میں مشغول رہنے والے، اسی طرح چوک چوراہوں پر بیٹھ کر وہاں سے گذرنے والی خواتین کو گھورنے والوں کو بھی سلام نہیں کرنا چاہیے اور یہ سلام کرنا ان سے اظہارِ برأت کے طور پر ہوگا؛ تاکہ وہ اپنی اپنی معصیتوں سے باز آجائیں۔(۱)

ڈاڑھی منڈانے والے کو سلام

فقہاء کا کہنا ہے کہ جو علی الاعلان گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہو اُسے سلام کرنا مکروہ ہے۔ يُكْرَهُ السَّلَامُ عَلَى الْفَاسِقِ لَوْ مُعْلِنًا۔(۲) اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ڈاڑھی مونڈنے یا کتروانے والے لوگ فاسق معلن میں داخل ہیں یا نہیں؟ اگر وہ فاسق معلن کی تعریف میں داخل ہیں تو فقہاء کی صراحت کے مطابق انہیں سلام کرنا مکروہ ہوگا، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

جو لوگ ڈاڑھی منڈاتے ہیں یا مونڈی ہوئی کے مثل کترواتے ہیں وہ فاسق

---

(۱) فتح الباری ۱۱/ ۴۰، باب من لم یسلم، الخ۔
(۲) شامی ۱/ ۶۱۷، بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّلَاةَ وَمَا يُكْرَهُ فِيهَا۔

کی تعریف میں شامل ہیں۔(۱)

لہٰذا اس تصریح کے مطابق انہیں سلام کرنا مکروہ ہوگا؛ لیکن ہمارے ملک ہندوستان میں عموماً دینی تعلیم سے غفلت پائی جاتی ہے، جس کی وجہ سے لوگ ڈاڑھی نہیں رکھتے ہیں، اگر ان سے سلام کلام بند کردیا جائے تو دعوت وتبلیغ کا دروازہ بند ہوجائے گا، آپسی رنجش بڑھے گی اور بجائے اتحاد کے اختلاف وانتشار پیدا ہوگا؛ لہٰذا ایسے لوگوں کو سلام کرنا چاہیے، عجب نہیں کہ سلام کرنا آپسی محبت کا ذریعہ بنے، پھر انہیں اسلامی تعلیمات سے آگاہ کرنے کا موقع ملے؛ چناں چہ مفتی محمود الحسن صاحب علیہ الرحمۃ کی بات دل کو لگتی ہے، آپ علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

> بسا اوقات یہ ترکِ سلام بغض ودشمنی کا باعث بن جاتا ہے، جس کی جہ سے بہت سے احکام کی خلاف ورزی؛ بلکہ ہتک ہوتی ہے، نیز اس کے فسق کی وجہ سے اس کے ایمان سے صرفِ نظر ہوکر اس کی بے توقیری بھی بعض دفعہ پیدا ہوجاتی ہے، ایسی حالت میں بحیثیت مومن اس کو سلام کیا جاوے تو اس سے تعلیماتِ اسلام کی اشاعت بھی ہوتی ہے، محبت والفت بھی پیدا ہوتی ہے، جس کی بنا پر ایسے لوگ اسلام کے احکام کو سننے کے لیے بھی آمادہ ہوتے ہیں، بغض اور دشمنی سے تحفظ رہتا ہے اور اپنی بڑائی بھی پیدا نہیں ہوتی۔(۲)

تنبیہ کی غرض سے سلام کا جواب نہ دینا

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گذر رہے تھے، ان کے جسم پر دو سرخ کپڑے تھے، انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا؛ لیکن آپ نے اُن کے سلام کا جواب نہیں دیا۔(۳)

اس حدیث کے ذیل میں علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے ''نیل الاوطار'' میں اور اسی سے نقل

(۱) کفایت المفتی ۹/۹۱۔
(۲) فتاوی محمودیہ ۱۹/۵۔
(۳) سنن ابوداؤد، حدیث نمبر: ۴۰۶۹۔

کرتے ہوئے صاحبِ ''عون المعبود'' نے یہ لکھا ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی گناہ کے کام میں مبتلا ہوتو اس کی زجروتوبیخ اور معصیت پرنکیر کرنے کی غرض سے اس کے سلام کا جواب نہ دینے کی گنجائش ہے، سرخ رنگ کا لباس پہننا شرعاً ممنوع ہے، ان صاحب نے چونکہ ایک ممنوع امر کا ارتکاب کیا تھا؛ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب نہیں دیا، اسی طرح اگر کوئی کسی اور غیر شرعی حرکت کا مرتکب ہو اور وہ سلام کرے تو اس کے سلام کا جواب نہ دینے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔(۱)

پیچھے سے اچانک سلام کردینا

اگر کوئی شخص ٹہلتے ہوئے قرآن کی تلاوت کررہا ہو اور اد و وظائف میں مشغول ہو یا تسبیح پڑھ رہا ہو تو پیچھے سے اچانک سلام نہیں کرنا چاہیے، خلل تو ہوتا ہی ہے، بعض دفعہ انسان گھبرا بھی جاتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ ایک طرح کا ایذاء ہے، جس سے بچنا چاہئے۔

ٹیپ رکارڈ، ریڈیو وغیرہ سے کیا گیا سلام

اگر ٹیپ رکارڈ میں کسی کے سلام کی آواز کو محفوظ کرلیا گیا ہو تو اس کا جواب دینا ضروری نہیں ہے، یہی حکم اُس وقت ہوگا جب سلام کو کسی بھی آلہ میں محفوظ کرلیا جائے، مثلاً: آج کل گھروں میں ایک بیل لگائی جاتی ہے، جس کا بٹن دبانے پر آواز آتی ہے، ''السلام علیکم''، اسی طرح موبائل میں ''السلام علیکم'' کی رنگ ٹون لگادی جاتی ہے تو اس کا جواب دینا بھی واجب نہیں ہے؛ البتہ اگر کیسٹ، سی ڈی یا میموری وغیرہ میں سلام ریکارڈ کیا گیا ہو تو اس کی ایک صورت یہ ہے کہ کسی کے پاس کوئی پیغام ریکارڈ کرکے بھیجا جائے اور سلام میں اُس کو مخاطب بنایا جائے، ایسی صورت میں جس کے نام پیغام ہے اور جس کو مخاطب بنایا گیا ہے اُسے سلام کا جواب دینا چاہیے، یہی حکم وائس مسیج کا ہوگا، اور اُسے خط والے مسئلہ پر قیاس کیا جائے گا اور اگر وہ کیسٹ وغیرہ کوئی قاصد لایا ہے اور پیغام سنتے وقت وہ بھی موجود ہے تو جواب میں اُسے بھی شریک کرنا چاہیے، جیسے قاصد کا مسئلہ ہے، یعنی وعلیہ وعلیکم السلام کہنا چاہیے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی خاص شخص کو مخاطب نہ بنایا گیا ہو، جیسے کسی مقرر کی تقریر

(۱) نیل الاوطار ۲/ ۱۱۵، حدیث نمبر: ۵۶۴۔

ہو اور اُس میں سامعین کو سلام کیا گیا ہو تو ایسے خطاب کو بہت سے لوگ سن چکے ہوتے ہیں اور آئندہ بھی سنیں گے، جہاں وہ تقریر ہوئی ہے، وہاں مجمع میں سے اگر ایک شخص نے بھی جواب دے دیا ہو، جیسا کہ عموماً ایسا ہی ہوتا ہے تو یہ سب کی طرف سے کافی ہو جائے گا، آئندہ سننے والے کے ذمہ جواب دینا واجب نہیں ہے، یہی حکم اُن تقریروں کے شروع میں کیے ہوئے سلام کا ہوگا جو تقریریں یوٹوب یا واٹس اپپر ایک دوسرے کو بھیجی جاتی ہیں، پھر سنی جاتی ہیں، مفتی محمود صاحب لکھتے ہیں:

> اور اگر آواز رکارڈ نہ ہو، مثلا: ریڈیو سے براہِ راست کوئی سلام کرے یا ٹی وی پر براہِ راست کوئی پروگرام نشر کیا جائے اور اس میں کوئی سلام کرے تو احتیاط یہ ہے کہ سلام کا جواب دیا جائے۔(۱)

نئے چاند کو دیکھ کر سلام کرنا

بعض حضرات جب نیا چاند دیکھتے ہیں تو لوگوں کو سلام کرتے ہیں، شریعت میں اس وقت سلام کرنا ثابت نہیں ہے، نئے چاند دیکھنے پر جو دعائیں احادیث میں منقول ہیں، اُن میں کہیں سلام کرنے کا تذکرہ نہیں ہے؛ اس لئے نیا چاند دیکھ کر سلام کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔(۲)

تحفہ ملنے پر سلام کرنا

بعض گھرانے جو خود کو مہذب کہلاتے ہیں، ان میں یہ رواج ہے کہ اگر کوئی تحفہ دے تو فورا اٹھ کر سلام کیا جائے، لیکن شریعت میں اس وقت سلام کرنا ثابت نہیں ہے؛ لہذا یہ ایک غیر اسلامی فعل ہے، اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔(۳)

دولہے کا اہل مجلس کو سلام کرنا

بعض جگہوں پر دولہا ایجاب وقبول کے بعد اُسی مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو کھڑے ہو کر سلام کرتا ہے اور اسے ضروری سمجھا جاتا ہے، اور بعض جگہوں پر تو چاروں طرف رخ کر کے ہر

---

(۱) فتاوی محمودیہ ۱۹/ ۸۴۔
(۲) فتاوی محمودیہ ۱۹/ ۸۸۔
(۳) جامع الفتاویٰ ۳/ ۳۱۵۔

جانب والوں کو الگ الگ سلام کیا جاتا ہے، شریعت میں اِس کی کوئی اصل نہیں ہے، فتاویٰ ریاض العلوم میں ہے:

شریعت مطہرہ میں سلام کا موقع وقتِ ملاقات ہے، نہ کہ بعد نکاح؛ لہٰذا اِس موقع پر سلام کرنا محض رسم اور بے محل ہے۔(۱)

کسی کی معرفت سلام بھیجنا

اہلِ تعلق کو کسی کے معرفت سلام بھیجنا شرعاً محمود و پسندیدہ ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں، تم کو سلام کر رہے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے جواب میں کہا: **وعلیه السلام ورحمة الله وبركاته** اور یہ بھی کہا کہ وہ تو مجھے نظر نہیں آرہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہی نظر آرہے ہیں ۔(۲) اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آرہی ہیں، اُن کے ساتھ کھانا، سالن اور پانی ہے، جب وہ آپ کے پاس آئیں تو اُن کو اُن کے رب کا سلام پہونچایئے اور میری طرف سے بھی پہونچایئے ۔(۳) اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قبیلۂ اسلم کے ایک نوجوان نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ میں جہاد میں شریک ہونا چاہتا ہوں؛ لیکن میرے پاس مال نہیں ہے، (اگر اس کا انتظام ہوجاتا تو میرے لیے سہولت ہوجاتی) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ فلاں انصاری صحابی جہاد میں شرکت کے لیے تیاری کر چکے تھے؛ لیکن وہ بیمار ہوگئے ہیں، تم اُن سے جا کر کہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم کو سلام کہہ رہے ہیں اور تم نے جہاد میں شرکت کے لیے جو تیاری کی ہے وہ مجھے دیدو؛ تاکہ میں اس میں شریک ہوسکوں، انھوں نے بخوشی ساری چیزیں میرے حوالے کر دیں۔(۴)

---

(۱) فتاوی ریاض العلوم ۱/ ۳۸۴۔

(۲) بخاری، حدیث نمبر: ۳۷۶۸۔

(۳) بخاری، حدیث نمبر: ۳۸۲۰۔

(۴) سنن ابوداؤد، حدیث نمبر: ۲۷۸۰۔

انہی احادیث کی روشنی میں علامہ نووی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ ایک دوسرے کو سلام بھیجنا جائز ہے؛ کیونکہ خود اللہ تعالیٰ، حضرت جبرئیل علیہ السلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے کی معرفت سلام بھیجا ہے؛ چنانچہ حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ علامہ نووی علیہ الرحمۃ کے حوالے سے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق لکھتے ہیں:

فِي هَذَا الْحَدِيثِ مَشْرُوعِيَّةُ إِرْسَالِ السَّلَامِ - (۱)

اس حدیث میں سلام بھیجنے کے جائز ہونے کی دلیل ہے۔

سلام پہونچانے کا حکم

اگر کسی نے کسی کو سلام پہونچانے کے لئے کہا اور اس نے اس ذمہ داری کو قبول کر لیا تو سلام کا پہونچانا اس کے ذمہ لازم ہو گیا؛ کیونکہ یہ اس کے حق میں امانت ہوگئی اور امانت کو صاحب حق کے سپرد کرنا ضروری ہے، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک صاحب آئے اور انہوں نے کہا کہ آپ کو فلاں صاحب نے سلام کہا ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ کتنے دنوں پہلے اس نے سلام کہنے کو کہا تھا، اس نے جواب دیا کہ چند دنوں پہلے کہا تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے اپنی ذمہ داری کا احساس کیا اور کئی دن گذرنے کے باوجود تم نے اس کا سلام پہونچایا، اگر تم ایسا نہ کرتے تو تمہارے ذمہ قابل ادا امانت رہتی، جو ادا کئے بغیر ادا نہیں ہو سکتی تھی۔(۲)

اور اگر اس نے سلام پہونچانے کی ذمہ داری نہیں لی تو یہ ودیعت کے حکم میں ہے اور جس طرح ودیعت قبول کئے بغیر اس کی حفاظت وادائیگی ذمہ میں لازم نہیں ہوتی، اسی طرح سلام پہونچانا بھی ذمہ میں لازم نہیں ہوگا، اگر پہونچادیا تو بہت اچھا؛ ورنہ گناہ نہ ہوگا(۳)

ایک دوسرے کو سلام بھیجنا

سلف صالحین میں ایک دوسرے کو سلام بھیجنے کا رواج رہا ہے، حضرت حمید علیہ الرحمۃ کو ایاس بن معاویہ علیہ الرحمۃ نے حسن بصری علیہ الرحمۃ کے یہاں ایک ضرورت سے بھیجا تو اسے پہلے سلام

(۱) فتح الباری ۱۱/۳۸۔
(۲) مصنف ابن ابی شیبہ، رقم: ۲۵۷۰۵۔
(۳) فتح الباری ۱۱/۳۸۔

پہونچانے کی تاکید فرمائی۔(۱) اسی طرح حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے پاس ایک قاصد بھیجا تو ان کو سلام بھیجا (۲) حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلام بھیجا تھا۔(۳) بلکہ اللہ تعالی نے خود حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سات آسمان اوپر سے سلام بھیجا تھا۔(۴) ایک صحابی نے اپنے صاحبزادے کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تو ان کو پابند کیا کہ پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا اسلام کہنا، چنانچہ جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہونچے تو عرض کیا:

إِنَّ أَبِي يُقْرِئُكَ السَّلَام - (۵)

میرے والد بزرگوار نے آپ کو سلام کہا ہے۔

سلام بھیجنے والے کے سلام کا جواب

قاصد کے ذریعہ سلام کا بھیجنا شرعاً درست ہے، جب اس طرح سلام کسی کے پاس پہونچے تو اس کا جواب دینا ضروری ہے یا نہیں؟ علماء نے صراحت کی ہے کہ جواب دینا ضروری ہے، علامہ نووی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

إذا بعث إنسانٌ مع إنسانٍ سلاماً، فقال الرسولُ: فلانٌ يسلّم عليك، فقد قدَّمنا أنه يجب عليه أن يردّ على الفور- (۶)

جب کوئی شخص کسی کی معرفت سلام بھیجے، اور قاصد نے اس سے کہہ دیا کہ فلاں نے آپ کو سلام کہا ہے تو اس کا جواب دینا فوراً اس کے ذمہ لازم ہے۔

(۱) مصنف بن ابی شیبہ، حدیث نمبر: ۳۰۹۶۰۔
(۲) حوالہ سابق، حدیث نمبر: ۳۴۶۸۸۔
(۳) حوالہ سابق، حدیث نمبر: ۳۷۳۰۴۔
(۴) بخاری، حدیث نمبر: ۳۸۲۰۔
(۵) سنن ابوداؤد، حدیث نمبر: ۵۲۳۱۔
(۶) الاذکار، حدیث نمبر: ۱۲۴۴۔

فتاوی غیاثیہ کے حوالے سے بھی عالمگیری میں یہی مذکور ہے۔(۱)

سلام پہونچانے والے کو جواب میں شریک کرنا

جو شخص کسی کا سلام پہونچائے تو اسے بھی جواب میں شریک کر لینا بہتر ہے؛ کیونکہ یہی سلام پہونچانے کا ذریعہ بنا ہے اور جو خیر کا ذریعہ بنتا ہے عموما اسے خیر کو جاری کرنے کا حکم دے دیا جاتا ہے، اب اگر وہ خود سلام کرتا تو اس کا جواب دینا پڑتا تو جب وہ سلام پہونچانے کا سبب بنا تو اس کو بھی جواب میں شریک کرنا زیادہ مناسب ہے، نیز سلام بھیجنے والا بھی محسن ہے اور پہونچانے والا بھی محسن ہے؛ لہذا دونوں کو احسان کا بدلہ دینا چاہئے کہ جس طرح سلام بھیجنے والے کو جواب دیا جائے اسی طرح پہونچانے والے کو بھی اس میں شریک رکھا جائے۔(۲)

جواب میں شریک کرنا واجب ہے؟

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ حکم صرف استحبابی ہے یا پھر واجب وضروری ہے؟ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ (۳) علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ (۴) اور صاحب شرح تحفۃ الاقران (۵) سے منقول ہے کہ یہ حکم صرف استحبابی ہے، وجوبی نہیں ہے؛ البتہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے وجوب کی روایت ہے۔(۶) علامہ سید احمد طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ (۷) اور علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے ظاہر سے یہی سمجھا ہے کہ سلام پہونچانے والے کو بھی جواب میں شریک کرنا واجب ہے۔(۸)

شریک کرنا مستحب ہے

لیکن احادیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ استحباب والا موقف راجح ہے؛ کیونکہ

---

(۱) عالمگیری ۵/ ۳۲۶، **الباب السابع فی السلام۔**
(۲) المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی ۵/ ۳۲۹، **الفصل الثامن فی السلام۔**
(۳) الاذکار ۱/ ۴۱۰، حدیث نمبر: ۱۲۴۴۔
(۴) شامی ۶/ ۴۱۵، **فصل فی البیع۔**
(۵) حوالہ سابق۔
(۶) حوالہ سابق۔
(۷) طحطاوی علی الدار ۴/ ۲۰۷، **فصل فی البیع۔**
(۸) شامی ۶/ ۴۱۵، **فصل فی البیع۔**

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے جب سلام پہونچایا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہانے جواب میں صرف **وعلیه السلام ورحمة الله وبركاته** فرمایا۔(۱) اور آپ ﷺ جو سلام پہونچانے میں واسطہ بنے تھے جواب دیتے وقت آپ کو شریک نہیں فرمایا، اور نہ آپ نے اس پر نکیر فرمائی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلام پہونچانے والے کو بھی جواب دیتے وقت شریک کرنا لازم وضروری نہیں ہے؛ بلکہ حافظ بن حجر علیہ الرحمہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مذکور کی تمام طرق کا جائزہ لیا ہے اور یہ جاننے کی کوشش کی ہے کہ کسی سند میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سلام کا جواب دیتے وقت شریک کرنا ثابت ہے یا نہیں، ان کی دانست کے مطابق کسی سند میں ایسی صراحت نہیں ہے، جس سے انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ سلام پہونچانے والے کو بھی جواب میں شریک کرنا ضروری نہیں ہے، حافظ بن حجر علیہ الرحمہ کے الفاظ ہیں:

وَلَمْ أَرَ فِي شَيْءٍ مِنْ طُرُقِ حَدِيثِ عَائِشَةَ أَنَّهَا رَدَّتْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَلَّ عَلَى أَنَّهُ غَيْرُ وَاجِبٍ - (۲)

مجھے حدیث عائشہ کے کسی سند میں یہ بات نہ مل سکی کہ انہوں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سلام کا جواب دیتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شریک کیا ہو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلام پہونچانے والے کو جواب میں شریک کرنا ضروری نہیں ہے، نیز بعض صحابہ سے بھی منقول ہے کہ ان کو جب دوسروں کا سلام پہونچایا گیا تو انہوں نے پہونچانے والے کو جواب میں شریک نہیں کیا، مثلاً حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے جب ایک صاحب نے کہا کہ کوفہ کے ذاکرین نے آپ کو سلام کہا ہے تو انہوں نے صرف **وعلیهم السلام** کہا اور پہونچانے والے کو اس میں شریک نہیں کیا۔(۳) مولانا خلیل احمد سہارنپوری علیہ الرحمہ نے بھی ابوداؤد کی شرح

(۱) بخاری، حدیث نمبر: ۳۲۱۷۔
(۲) فتح الباری ۱۱/ ۳۸، **باب اذا قال فلان یقرئك السلام۔**
(۳) سنن دارمی، حدیث نمبر: ۳۳۷۳۔

میں جواز کے قول کو اختیار کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

فالامران جائزان سواء اقتصر علی الاصل او شرک المبلغ ایضا فی الجواب(۱)

جواب دینے والے کے لئے دونوں جائز ہے، خواہ وہ سلام بھیجنے والے کا جواب دے، یا پہونچانے والے کو بھی شریک کرلے۔

حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ کا دعوی محل نظر

تفصیل سابق سے معلوم ہوا کہ وجوب کے قول کا انکار اس بنیاد پر ہے کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کے کسی سند میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شریک کرنے کا ذکر نہیں ہے اور اسی کے پیش نظر حافظ بن حجر علیہ الرحمۃ نے استحباب والے موقف کو اختیار کیا ہے، اور وجوب کی نفی کی ہے، مگر یہ دعوی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سلام پہونچایا تھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے صرف حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سلام کا جواب دیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں شریک نہیں کیا تھا، جیسا کہ بخاری اور حدیث کی کسی اور کتاب میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب میں شریک کرنا ثابت نہیں ہے، صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ ابوبکر بن خلال علیہ الرحمۃ نے کتاب السنۃ میں جو حدیث ذکر کی ہے، وہ اس طرح ہے:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهَا: »إِنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يُقْرِئُكِ السَّلَامَ« . قَالَتْ: فَقُلْتُ: وَعَلَيْكَ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ - (۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تم کو سلام کہہ رہے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے جواب میں کہا: **وعلیک وعلیه السلام ورحمة الله**۔

اس حدیث میں واضح طور سے یہ بات ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت

---

(۱) بذل المجہود ۲/۱۷۱۔

(۲) السنۃ لابی بکر بن الخلال، حدیث نمبر: ۷۴۶، ذکر صفین والجمل۔

جبرئیل علیہ السلام کے سلام کا جواب دیتے وقت حضور ﷺ کو بھی شریک کیا تھا، اسی طرح علامہ طبرانی علیہ الرحمہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام سعید بن کثیر علیہ الرحمہ اپنے والد کثیر علیہ الرحمہ سے نقل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا، وہ فرمارہی تھیں کہ میں نے حضور ﷺ کو ایک سفید گھوڑے والے کے ساتھ کھڑے دیکھا، آپ ﷺ اس کے گھوڑے کی پیشانی پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے، جب آپ ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو میں نے عرض کیا: وہ گھوڑے والے صاحب کون تھے؟ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا تم نے ان کو دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا: ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کس کے مشابہ تھے؟ میں نے عرض کیا: وہ دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کی طرح تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ جبرئیل تھے، انہوں نے تم کو سلام کہا ہے، میں نے جواباً کہا:

وَعَلَى مَنْ أَرْسَلَهُ وَعَلَيْكَ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ -(۱)

سلام ہو اس پاک ذات پر جس نے ان کو بھیجا اور آپ ﷺ پر بھی اور جبرئیل علیہ السلام پر بھی۔

اس حدیث میں یہ بھی صراحت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو بھی جواب میں شریک کیا تھا، اسی طرح مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: یہ حضرت جبرئیل ہیں، جو تمہیں سلام کہہ رہے ہیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواباً کہا:

وَعَلَيْكَ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ - (۲)

آپ پر اور ان پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت و برکت ہو۔

اور مسند احمد کے محقق شعیب ارنؤوط نے اس حدیث کی سند کے بارے میں لکھا ہے: **اسنادہ قوی**، اور علامہ سندھی کا قول نقل کیا ہے کہ جن روایات میں صرف **وعلیہ السلام** ہے، وہ راویوں کے جانب سے مختصر روایت ہے، جب کہ اس روایت میں تفصیل ہے۔(۳)

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث نمبر: ۸۴۔ (۲) مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۴۸۵۷۔

(۳) حاشیہ مسند احمد۔

بہر حال ان روایات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی شریک کیا تھا؛ لہذا اس بنیاد پر وجوب کے قول کا انکار صحیح معلوم نہیں ہوتا ؛ البتہ استحباب پر استدلال حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت سے کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اہل کوفہ کے سلام کا جواب دیتے وقت سلام پہونچانے والے کو شریک نہیں کیا تھا۔(۱)

سلام پہونچانے والے کو جواب میں پہلے ذکر کیا جائے یا بعد میں؟

سلام پہونچانے والے نے سلام پہونچا کر ظاہر ہے کہ احسان کیا ہے، اب وہ اپنے اس احسان کا بدلہ بزبان حال **هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ** کے تحت چاہتا ہے؛ لہذا جواب دینے والے کو بھی چاہئے کہ **هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ** کا لحاظ کرتے ہوئے پہلے سامنے موجود محسن کا بدلہ چکائے، اس کے بعد غائب محسن (سلام بھیجنے والے) کے قابل ادا حق کو اپنے ذمہ سے ساقط کرے؛ اس لئے جواب میں سلام پہونچانے والے کو مقدم کرے اور جس کی طرف سے سلام لے کر آیا ہے اس کو موخر کرنے کرے، تاتارخانیہ میں ہے کہ امام محمد علیہ الرحمہ نے ایک ایسی حدیث ذکر کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کو غائب شخص کا سلام پہونچایا جائے تو وہ جواب دیتے وقت پہلے پہونچانے والے کو جواب دے اور آخر میں سلام بھیجنے والے کو جواب دے۔(۲) اور محیط برہانی سے معلوم ہوتا ہے کہ امام محمد علیہ الرحمہ نے وہ حدیث کتاب السیر کے باب الجعائل میں ذکر کی ہے۔(۳) لیکن اگر کسی نے سلام بھیجنے والے کو پہلے اور پہونچانے والے کو بعد میں جواب دیا تو یہ بھی جائز ہے، جیسا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اللہ کا سلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے سے پہونچایا تو انہوں نے ان الفاظ سے جواب دیا:

إِنَّ اللهَ هُوَ السَّلَامُ، وَعَلَى جِبْرِيلَ السَّلَامُ، وَعَلَيْكَ السَّلَامُ، وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ۔(۴)

اللہ تعالیٰ تو خود سلام ہیں، حضرت جبریل پر سلام ہو، آپ پر بھی سلام ہو اور

---

(۱) سنن دارمی، حدیث نمبر: ۳۳۴۷۔
(۲) شامی ۶/ ۴۱۵، **فصل فی البیع**۔
(۳) محیط برہانی ۵/ ۳۲۹، **الفصل الثانی فی السلام**۔
(۴) سنن کبری للنسائی، حدیث نمبر: ۱۰۱۳۴۔

اللہ کی رحمت وبرکت بھی ہو۔

نام لیا جائے یا نہیں؟

جسے کسی کا سلام پہونچے تو وہ جواب دیتے وقت سلام پہونچانے والے کو ضمیر خطاب اور سلام بھیجنے والے کا نام لے کر دونوں کو مخاطب بنا سکتا ہے، جیسا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالی کا سلام حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے بذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہونچا تو انہوں نے جواب میں کہا:

إِنَّ اللهَ هُوَ السَّلَامُ، وَعَلَى جِبْرِيلَ السَّلَامُ، وَعَلَيْكَ السَّلَامُ، وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ۔(۱)

اللہ تعالیٰ تو خود سلام ہیں، حضرت جبریل پر سلام ہو، آپ پر بھی سلام ہو اور اللہ کی رحمت وبرکت بھی ہو۔

اور اگر سلام پہونچانے والے کا رشتہ سلام بھیجنے والے سے معلوم ہو تو نام کے بجائے رشتہ بھی ذکر کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ ایک صاحب نے اپنے والد بزرگوار کا سلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہونچایا تو آپ نے جواب دیا:

علیک السلام و علی ابیک السلام -(۲)

تم پر سلام اور تمہارے والد پر سلام۔

یہاں آپ نے سلام پہونچانے والے کے والد کا نام نہیں لیا؛ بلکہ محض رشتہ کے ذکر پر اکتفا فرمایا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مرفوع روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر نام اور رشتہ کی وضاحت نہ ہو تو بھی درست ہے، حضرت جبرئیل علیہ السلام کا سلام جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو پہونچایا تو جواب میں آپ نے فرمایا تھا:

وَعَلَيْكَ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ -(۳)

(۱) سنن کبری للنسائی، حدیث نمبر: ۸۳۰۱۔
(۲) سنن ابوداؤد، حدیث نمبر: ۵۲۳۱۔
(۳) السنہ لابی بکر بن الخلال، حدیث نمبر: ۷۴۶۔

اورآپ پراوران پربھی سلامتی اوراللہ کی رحمت ہو۔

حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوسلام بھیجنا

حج یا عمرہ کے لئے جوحضرات تشریف لے جاتے ہیں توان کے رشتہ دار اوردوست واحباب حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوسلام بھیجتے ہیں کہ روضہ اقدس پر میری طرف سے سلام پہونچادینا،اگر انہوں نے وعدہ کرلیا کہ ہم آپ کا سلام حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہونچادیں گےتواس کا نام لے کرسلام پہونچانا واجب ہے،اگر انہوں نے نہیں پہونچایا تو گنہگار ہوگا اور اگر انہوں نے وعدہ نہیں کیا اور پہونچانے کی ذمہ داری نہیں لی تو پہونچانا واجب نہ ہوگا؛لہذا نہ پہونچانے کی صورت میں گناہ نہیں ہوگا،علامہ شرنبلالی علیہ الرحمۃ نے روضہ اقدس پر حاضری دینے والوں کے لئے آداب اورالفاظ سلام ذکرکرنے کے بعدلکھا ہے :

وتبلغه سلام من أوصاك به فتقول: السلام عليك يا رسول الله من فلان بن فلان الخ -(۱)

اورحضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ان لوگوں کا سلام پہونچاؤ جنہوں نے پہونچانے کے لئے کہا تھااورسلام ان الفاظ میں پہونچاؤ: **السلام علیک یا رسول اللہ من فلان بن فلان**

اوراس عبارت پرعلامہ طحطاوی علیہ الرحمۃ نے یہ نوٹ لکھا ہے:

ذكروا أن تبليغ السلام واجب لأنه من أداء الأمانة (۲)

فقہاء نے لکھا ہے کہ جن لوگوں نے سلام پہونچانے کے لئے کہا ہےان کا سلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہونچانا ضروری ہے؛ کیونکہ یہ اداءامانت کےقبیل سے ہے۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے بھی علامہ طحطاوی علیہ الرحمۃ کےحوالے سے وجوب کی صراحت کی ہے۔(۳)

---

(۱) مراقی الفلاح ۱/ ۲۸۴،باب فی زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔
(۲) حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ۱/ ۷۴۹،فصل فی زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔
(۳) شامی ۶/ ۴۱۵،**فصل فی البیع**۔

خط وکتابت میں سلام لکھنا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کو خط لکھا کرتے تھے تو اس میں سلام بھی لکھتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ان کے صاحبزادے کے انتقال پر تعزیتی خط لکھا تھا تو اس میں سلام لکھا تھا۔(١) اسی طرح حضرت منذر بن ساوی رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کے بعد جو خط آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے نام لکھا تھا اس میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام لکھا تھا۔(٢) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کو قضاء سے متعلق جو مشہور خط لکھا تھا تو اس میں بھی انہوں نے سلام لکھا تھا۔(٣) اسی طرح جب انہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو مدائن پر پہونچنے پر جو خط لکھا تھا تو اس میں بھی سلام کا ذکر ہے۔(٤) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جب عبدالملک بن مروان علیہ الرحمۃ کو خط کے ذریعہ اپنی بیعت کی اطلاع دی تو اس میں بھی سلام لکھا تھا۔(٥) حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے جب عبدالملک بن مروان علیہ الرحمۃ کو خط لکھا تھا تو انہوں نے بھی اس میں سلام لکھا۔(٦) حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمۃ نے ایک ضرورت سے عبدالحمید بن عبدالرحمن اور سالم بن عبداللہ رحمہما اللہ کو خط لکھا تو اس میں بھی سلام لکھا۔(٧)

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ خط میں مکتوب الیہ کو تحریری سلام پیش کرنا مسنون ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول بھی رہا ہے، صحابہ اور سلف صالحین بھی اس کا اہتمام کیا کرتے تھے؛ اس لئے اس میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔

خط میں سلام مسنون لکھنا

خط لکھتے وقت اب یہ رواج سا ہو گیا ہے کہ **السلام علیکم ورحمة الله وبركاته** لکھنے

(١) المعجم الاوسط، حدیث نمبر: ٨٣۔
(٢) نصب الروایۃ فی تخریج احادیث الہدایہ ٤/ ٤٢٠، **مسائل شتی**۔
(٣) تاریخ المدینہ لابن شیبہ ٢/ ٧٧٥، **باب تقدير الاية فى عهد عمر**۔
(٤) الزہد لابی داؤد، حدیث نمبر: ٥٢۔
(٥) موطا امام مالک، حدیث نمبر: ٣٦٠٦۔
(٦) مسند احمد، حدیث نمبر: ٢٥٧٧٤۔
(٧) الاموال لابن زنجویہ، رقم: ١٨٠، **اجتباء الجزية والخراج**، حلیۃ الاولیاء، ٥/ ٢٨٤، **تذكرة عمر بن عبدالعزيز**۔

کے بجائے صرف سلام مسنون لکھا جاتا ہے، ایسا لگتا ہے کہ بے شعوری میں یہ جملہ زیر قلم آ جاتا ہے ، حالانکہ اس سے سلام کی ادائیگی نہیں ہوتی ، سلام کا پھیلانا جو مامور بہ ہے اور اس پر جس اجر وثواب کا وعدہ کیا گیا ہے یہ ''سلام مسنون'' لکھنے سے ادا نہیں ہوتا؛ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور نہ ہی صحابہ وتابعین سے اس لفظ کا لکھنا ثابت ہے، **السلام علیکم** یا **سلام علیک** لکھنے کا معمول رہا ہے، نیز اگر سلام مسنون لکھنے سے سلام کی ادائیگی مان لی جائے تو پھر ہر آدمی ثناء مسنون، ذکر مسنون، درود مسنون اور تلاوت مسنون کی تسبیح پڑھ دے یا لکھ دے تو ان سے ان چیزوں کا ثواب مل جانا چاہئے، پوری ثناء یا پورے درود وغیرہ کے پڑھنے کی کیا ضرورت ہوگی؟ اس لئے کہ جس طرح سلام مسنون ہے، اسی طرح ثناء اور درود وغیرہ بھی مسنون ہے، لیکن یہاں پر کوئی اس کا قائل نہیں کہ اس کے کہنے کی وجہ سے یا لکھنے کی وجہ سے وہ ثنا ودرود شریف کے ثواب کا مستحق ہوجائے گا، پھر سلام میں کیسے کہا جا سکتا ہے کہ سلام مسنون لکھنے کی وجہ سے سنت کی ادائیگی ہوجائے گی۔

نیز حدیث پاک میں ہے کہ **السلام علیکم** کہنے پر دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔(۱) اور علماء کی تصریح ہے کہ سلام کی اقل مقدار **السلام علیکم** ہے۔(۲) اور اگر کوئی صرف **السلام** کہتا ہے تو اس کو سلام کرنے والا نہیں کہا جائے گا۔(۳) نیز فقہاء لکھتے ہیں:

و الكتاب كالخطاب-(۴)

لکھنے کا حکم بولنے جیسا ہے۔

تو جب خطاب کی حالت میں ''سلام مسنون'' یا صرف **السلام** کہنے سے سلام کی ادائیگی نہیں ہوتی اور اس کا جواب ضروری نہیں ہوتا تو پھر کتابت وتحریر میں سلام مسنون لکھنے سے سلام کی ادائیگی کیسے ہوجائے گی؛ لہٰذا **السلام علیکم ورحمة الله وبركاته** لکھنے کا اہتمام کرنا چاہئے؛ کیونکہ یہی سنت ہے اور اس میں ثواب بھی ہے، یہی سلف صالحین اور اکابر ومشائخ کا

---

(۱) ابوداؤد، حدیث نمبر:۵۱۹۵۔

(۲) الاذکار للنووی، **باب كيفية السلام**۔

(۳) حوالہ سابق۔

(۴) البنایہ شرح الہدایہ ۸/۸، خیار القبول۔

طریقہ رہا ہے، دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ ہے:

خط وکتابت میں بھی السلام علیکم لکھنا چاہیے، زبان سے السلام علیکم کہہ کر ''سلام مسنون'' لکھ دیا تو بھی حرج نہیں ہے، حاصل یہ کہ سلام مسنون لکھ سکتے ہیں؛ مگر السلام علیکم لکھنا زیادہ بہتر ہے۔(۱)

خط یا درخواست کے اخیر میں سلام لکھنا

کسی کو کوئی خط یا کوئی درخواست لکھی جائے یا کسی سے تحریر کے ذریعہ سفارش کی جائے تو جس طرح شروع میں سلام لکھا جاتا ہے؛ اُسی طرح اخیر میں بھی سلام لکھنا چاہیے، ہمارے دیار میں اس کا رواج بھی ہے کہ لوگ اخیر میں ''فقط والسلام'' لکھتے ہیں، اور والسلام علیکم بھی لکھ سکتے ہیں، امام بخاری نے الادب المفرد میں باب باندھا ہے:باب من كتب آخر الكتاب، السلام عليكم ورحمة الله یعنی یہ باب اُس شخص کے بارے میں ہے، جس نے خط کے اخیر میں السلام علیکم لکھا، اس کے بعد صحابیٔ رسول حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ایک خط نقل کیا ہے، جو انہوں نے عبداللہ بن معاویہ کو لکھا ہے، خط کے اخیر میں عبارت یوں ہے:

ونسئل الله الهدى والحفظ والتثبت في أمرنا كله، ونعوذ بالله أن نضل أو نجهل أو نكلف ما ليس لنا بعلم -والسلام عليک أمير المؤمنين ورحمة الله وبركاته ومغفرته-(۲)

ایسا ہی ایک خط شرح السنہ میں منقول ہے، جو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے زُعَماءِ فارس رستم ومہران کو لکھا ہے، جس خط کا اختتام سلام پر ہے، خط کے الفاظ یوں ہیں:

بسم الله الرحمن الرحيم من خالد بن الوليد إلى رستم ومهران في ملأ فارس: سلام على من اتبع الهدى أما

(۱) فتاویٰ دارالافتاء دارالعلوم دیوبند: ۵۸۷۔
(۲) الادب المفرد، حدیث نمبر:۱۰۶۱۔

بعد! فإنا ندعوكم إلى الإسلام؛ فإن أبيتم فأعطوا الجزية من يد وأنتم صاغرون؛ فإنَّ معي قوماً يحبون القتل في سبيل الله كما يحب فارس الخمر والسلام على من اتبع الہدی-(۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خالد ابن ولید کی طرف سے رستم ومہران کے نام جو زعماء ایران میں سے ہیں، اُس شخص پر سلامتی ہو، جوحق وہدایت کی پیروی کرے، بعد ازاں! واضح ہو کہ ہم تمھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں، اگر تم اسلام قبول نہیں کرتے ہو تو ذلت وخواری کے ساتھ جزیہ ادا کرو اور اگر تم اِس سے انکار کرو گے تو تمھیں آگاہ ہوجانا چاہیے کہ ہلاکت وپشیمانی تمہارا مقدر بن چکی ہے؛ کیوں کہ بلاشبہ میرے ساتھ ایسے لوگ ہیں جو راہِ خدا میں قتل ہوجانے کو اس طرح پسند کرتے ہیں جس طرح ایران کے لوگ شراب پسند کرتے ہیں، والسلام علی من اتبع الہدی

خط کے اخیر میں السلام علیکم سے پہلے ''واؤ'' لکھنے کی وجہ

عربی میں جب خط لکھا جاتا ہے تو اس کے اختتام پر والسلام علیکم لکھا جاتا ہے، صحابہ کرام آپس میں خط وکتابت اسی طرح کیا کرتے تھے، سوال یہ ہے کہ آغازِ خط میں صرف السلام علیکم یا سلامٌ علیکم اور اختتامِ خط میں والسلام علیکم کیوں لکھا جاتا ہے؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ واو عربی کا لفظ ہے جو عطف کے لیے آتا ہے، یعنی اپنے مابعد کو ماقبل سے جوڑ دیتا ہے، جیسے اردو میں ''اور'' آتا ہے، یہاں واو کے ذریعہ، سلام کو خط میں تحریر کردہ باتوں سے جوڑ دیا جاتا ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے خط میں چھوٹے چھوٹے جملوں کے بیچ میں عربی میں ''واؤ'' اور اردو میں ''اور'' لاتے ہیں اور جب اُس نے آخری جملے کو واو پر ختم کیا اور کہا: والسلام علیکم تو عربی داں طبقہ جانتے ہیں کہ اس نے مکتوب الیہ کو پہلے سلام کیا پھر مقصدِ تحریر بتایا اور اخیر میں

(۱) شرح السنۃ، حدیث نمبر:۲۶۶۸۔

دوبارہ نیا سلام کیا تو سلام میں نیا معنی پیدا ہوگیا اور یہ بغیر واو کے ممکن نہیں؛ ابن قتیبہ کی رائے یہ ہے کہ والسلام علیکم میں واو کے ذریعہ پہلے والے سلام پر عطف کیا گیا ہے، ابن قیم نے اِس رائے کی تردید کی ہے اور اِس کی وجہ یہی بتائی ہے کہ اس صورت میں نیا معنی پیدا نہیں ہوگا؛ بلکہ دونوں ایک ہی سلام ہو جائیں گے؛لہذا دوبارہ سلام کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا؛ اِس لیے اول الذکر رائے ہی بہتر معلوم ہوتی ہے۔(۱)

قابل احترام شخصیات کے خط میں دوسروں کو سلام

قابل احترام شخصیات،مثلا: استاد، والدین، پیر یا اپنے سے بڑے حضرات کو اگر خط لکھنا ہوتو ان کے خط میں کسی دوسرے کو سلام کہنے کے تعلق سے نہیں لکھنا چاہئے،ادب کے خلاف ہے؛ کیونکہ ان کو اپنا محکوم و مامور بنانا لازم آئے گا؛ البتہ اگر کوئی چھوٹا ہو یا عمر میں مساوی ہوتو ان کے پاس خط لکھتے وقت کسی کا سلام لکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تحریری سلام کا جواب

جس طرح زبانی سلام کا جواب دینا واجب ہے،اسی طرح تحریری سلام کا جواب دینا بھی واجب ہے،حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إن لجواب الْكتاب حَقًّا كرد السَّلَام-(۲)

تحریری سلام کا جواب دینا اسی طرح ضروری ہے جس طرح زبانی سلام کا جواب دینا ضروری ہے۔

حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ نے بھی وجوب ہی کی بات لکھی ہے۔(۳) اور علامہ حصکفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

وَيَجِبُ رَدُّ جَوَابِ كِتَابِ التَّحِيَّةِ كَرَدِّ السَّلَامِ.(۴)

---

(۱) بدائع الفوائد ۲/۱۵۶۔

(۲) مسند فردوس،حدیث نمبر:۷۸۳۔

(۳) فتح الباری ۱۱/ ۱۴، **باب تسليم القليل على الكثير۔**

(۴) درمختار مع شامی ۶/ ۴۱۵، **فصل فی البیع۔**

تحریری سلام کا جواب دینا ضروری ہے ، جیسا کہ زبانی سلام کا جواب دیناضروری ہے۔

علامہ شامی علیہ الرحمہ مجتبی نامی کتاب کے حوالے سے اس عبارت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

غائب شخص کی طرف سے تحریری سلام حکم کے لحاظ سے ایسا ہی ہے کہ موجود شخص زبانی سلام کر رہا ہے، جس طرح زبانی سلام کا جواب دیناضروری ہے، اسی طرح تحریری سلام کا جواب دیناواجب ہے؛ لیکن عام طور پر لوگ اس سے غافل ہیں۔(۱)

اکثر حضرات کو دیکھا یہ جاتا ہے کہ شروع سے آخر تک خط پڑھ جاتے ہیں اور اس طرف ذہن نہیں جاتا کہ خط لکھنے والے نے سلام لکھا ہے اور اس کا جواب دینا ضروری ہے، اکثر حضرات یا تو اس مسئلہ سے بے خبر ہیں یا اس کا اہتمام نہیں ہے، حالانکہ ایک واجب ذمہ میں رہ جاتا ہے؛ لہذا اس جانب توجہ دینے کی ضرورت ہے، خط پڑھنے والا جب **السلام علیکم ورحمة اللّٰه وبرکاته** پر پہونچے تو فورا جواب دے؛ تاکہ وجوب ادا ہوجائے اور ترک واجب کا گناہ نہ ہو؛ البتہ علامہ شامی علیہ الرحمہ نے جامع صغیر کے معروف شارح علامہ مناوی علیہ الرحمہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ مکتوب الیہ کو اختیار ہے کہ وہ چاہے تو سلام کا جواب فورا زبانی دیدے، یا خط ہی پر لکھ دے اور مراسلہ کے ذریعہ جواب پہونچادے، شوافع حضرات کے یہاں بھی یہی ہے۔(۲) اور احسن الفتاوی میں ہے:

زبانی یا بذریعہ خط جواب دیناواجب ہے، بہتر ہے کہ فوراً زبان سے جواب دے دیا جائے؛ کیوں کہ ممکن ہے خط کے جواب کا موقع نہ ملے تو واجب فوت ہونے کا گناہ ہوگا، خط کا جواب دینے کا ارادہ نہ ہو یا خط قابلِ جواب نہ ہو تو فوراً زبان سے جواب دیناواجب ہے۔(۳)

---

(۱) شامی ۶/ ۴۱۵، **فصل فی البیع**۔
(۲) حوالہ سابق۔
(۳) احسن الفتاویٰ ۸/ ۱۳۴۔

جوابی سلام میں کیا لکھے؟

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سے دریافت کیا گیا کہ خطوں کے اندر جو سلام لکھا ہوا آتا ہے، مثلا لکھتے ہیں: السلام علیکم اس کے جواب میں وعلیکم السلام لکھنا چاہیے یا السلام علیکم لکھ دینا کافی ہے؟ آپ نے فرمایا: فقہاء نے دونوں کافی لکھا ہے۔(۱)

کافروں کو سلام

کافروں کو سلام کرنے میں پہل کیا جائے یا نہ کیا جائے؟ اس تعلق سے علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے، بعض حضرات نے تو مطلقا اسے حرام قرار دیا ہے، ان کا استدلال حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

لَا تَبْدَءُوا الْيَهُودَ وَلَا النَّصَارَى بِالسَّلَامِ.(۲)

یہود ونصاری کو سلام کرنے میں پہل نہ کیا کرو۔

یہی حدیث مزید وضاحت کے ساتھ امام احمد علیہ الرحمہ نے نقل کی ہے، حضرت سہیل بن ابی صالح علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ میں اپنے والد ابوصالح علیہ الرحمہ کے ساتھ ملک شام گیا تو اہل شام جب گرجا گھر کے پاس سے گذرتے تو وہاں پر موجود لوگوں کو سلام کرتے، میرے والد ابوصالح علیہ الرحمہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکور حدیث سنائی۔(۳) اور حضرت ابوبصرہ غفاری رضی اللہ عنہ کہتے کہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہم لوگ صبح سویرے یہود کے یہاں جائیں گے؛ لہذا ان کو سلام کرنے میں پہل نہ کرنا۔(۴)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مصنف عبد الرزاق میں ایک روایت ہے کہ مشرکین کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو۔(۵)

---

(۱) اسلامی تہذیب:۵۶۔
(۲) مسلم شریف، حدیث نمبر:۲۱۶۷۔
(۳) مسند احمد، حدیث نمبر:۸۵۶۱۔
(۴) مسند احمد، حدیث نمبر:۲۷۲۳۶۔
(۵) مصنف عبد الرزاق، حدیث نمبر:۹۸۳۷۔

نیز حدیث میں ہے کہ سلام کو پھیلانے اور عام کرنے سے آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے (۱) اور ایک مسلمان کو حکم ہے کہ وہ کافروں سے محبت نہ کرے اور ان کی طرف دوستی کا ہاتھ نہ بڑھائے؛ لہٰذا جو امور محبت ومودت پیدا کرنے کا ذریعہ ہوں اسے کیسے جائز قرار دیا جاسکتا ہے؟ (۲) اس لئے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے عام سلف، اکثر علماء اور شوافع کا مذہب یہی لکھا ہے کہ کافروں کو سلام کرنے میں پہل کرنا حرام ہے۔ (۳) کیونکہ سلام کرنے میں ان کا اعزاز واکرام ہے، حالانکہ ان کا اعزاز واکرام کرنا جائز نہیں ہے۔ (۴)

اور بعض حضرات کا خیال ہے کہ کافروں کو سلام کرنے میں پہل کرنا جائز ہے، ابن عباس، ابوامامہ اور ابن سیرین رحمہم اللہ کا بھی یہی موقف ہے، بعض شوافع بھی اس کے قائل ہیں، ان حضرات کی دلیل درج ذیل آیات واحادیث ہیں:

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے فرمایا تھا:

سَلَامٌ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي .(۵)

میرا سلام لو، اب میں تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت کی درخواست کروں گا۔

۲۔ محمد بن کعب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے یہ پوچھا کہ ذمیوں کو سلام کرنے میں پہل کیا جاسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ان کے سلام کا جواب تو ہم دیا کریں؛ لیکن سلام میں پہل نہ کریں، محمد بن کعب رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت کیا کہ آپ ایسی بات کیسے کہہ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ سلام کرنے میں پہل کرنا حرج کا باعث نہیں ہے، میں نے عرض کیا: کیوں؟ آپ نے ارشاد باری تعالیٰ کی تلاوت فرمائی:

---

(۱) مسلم شریف، حدیث نمبر: ۵۴۔
(۲) فتح الباری ۱۱/ ۱۹، باب افشاء السلام۔
(۳) حاشیہ نووی علی المسلم۔
(۴) فیض القدیر للمناوی، حدیث نمبر: ۹۷۲۶۔
(۵) مریم: ۴۷۔

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلَامٌ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ -(۱)

آپ ان سے بے رخ رہئے اور یوں کہہ دیجئے کہ تم کوسلام کرتا ہوں، سوان ان کوابھی معلوم ہوجائے گا۔(۲)

۳۔حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ جوبھی سامنے آتا خواہ مسلمان ہو یا کافر آپ اسے سلام کرتے تھے۔(۳)

دلائل پر ایک نظر

قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے مذکورہ دونوں آیات کا یہ جواب دیا ہے کہ ان دونوں آیات میں سلام وتحیۃ مراد نہیں ہے؛ بلکہ سلام متارکۃ وسلام منابذہ مراد ہے(۴) اور بعض حضرات نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ سورہ زخرف والی آیت آیت قتال سے منسوخ ہے۔(۵)

اور جہاں تک ابوامامہ رضی اللہ عنہ کا معمول ہے تو وہ ان کی ذاتی رائے ہے، جو صریح حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے حجت نہیں ہے۔(۶)

اور بعض حضرات نے ضرورت کے مواقع پر پہل کرنے کی اجازت دی ہے، یہی حضرت علقمہ اور نخعی رحمہما اللہ کا مذہب ہے، امام اوزاعی علیہ الرحمہ سے منقول ہے کہ اگر تم سلام کرنے میں پہل کروتو صالحین کی ایک جماعت کے طرز عمل کی پیروی ہوگی اور اگر نہ کروتو بھی صالحین کی دوسری جماعت کی پیروی ہوگی۔(۷)

غیر مسلموں کو سلام کیسے کرنا چاہیے؟

سلام کے جو الفاظ ہم ایک دوسرے کو کہتے ہیں یعنی ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' یہ اصل میں

(۱) الزخرف:۸۹۔
(۲) مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر:۲۵۷۵۔
(۳) شعب الایمان، حدیث نمبر:۸۴۱۹۔
(۴) فیض القدیر، حدیث نمبر:۹۷۲۶۔
(۵) فتح الباری ۱۱/۳۹، باب التسلیم فی مجلس فیه اخلاط من المسلمین والمشرکین۔
(۶) فتح الباری ۱۱/۳۹، باب التسلیم فی مجلس فیه اخلاط من المسلمین والمشرکین۔
(۷) نووی علی المسلم۔

مسلمانوں کو کہنے کے لیے ہیں، اس میں مخاطب کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جاتی ہے، جو لوگ اللہ کے وجود ہی کو نہ مانتے ہوں یا اس طرح نہ مانتے ہوں جس طرح ماننے کا حق ہے اور خدا کے بارے میں اُن کا عقیدہ ہی مختلف ہو، اُن کو اِس طرح کی دعا دینا ایک بے معنی بات ہوگی؛ اِس لیے غیر مسلم بھائیوں کے لیے محبت اور احترام کا کوئی مناسب لفظ استعمال کرنا چاہیے، جیسے آداب وغیرہ اور اگر وہ خود سلام کریں تو اس کے جواب میں صرف ''وعلیکم'' کہنے پر اِکتفاء کرنا چاہیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرح جواب دینے کی تلقین فرمائی ہے۔(۱)

غیر مسلم کو نمسکار کرنا اور ہاتھ جوڑنا

نمستے اور نمسکار غیر اسلامی اور مشرکانہ عقیدہ پر مبنی تعبیرات ہیں؛ اس لیے مسلمانوں کے لیے ایسے الفاظ کا کہنا قطعاً درست نہیں، ہاتھ جوڑنا بھی غیر اسلامی طریقہ ہے، زبان سے آداب وغیرہ کہہ دینا درست ہے؛ بوقت ضرورت سلام بھی کیا جاسکتا ہے؛ لیکن سلام میں کفر وشرک سے سلامتی کا معنی ذہن میں رکھا جائے تو بہتر ہے۔(۲)

اور اگر کوئی غیر مسلم، نمستے کہے تو جواب میں نمستے نہ کہا جائے؛ بلکہ ''ہداک اللہ'' اور ''سلام'' کہہ دیا جائے، فقط ''سلام'' کہہ دینا بھی درست ہے۔(۳)

نمستے، پرنام یاست شری اکال کہنا

مذکورہ کلمات غیر مسلموں کے یہاں مذہبی شعار کے طور پر استعمال ہوتے ہیں؛ اس لیے مسلمان کے لیے اِن کا استعمال ممنوع ہے:لقولہ علیہ السلام: من تشبہ بقوم فہو منہم اِن کلمات کے بجائے ''آداب عرض'' کہہ لینے کی گنجائش ہے۔(۴)

رام رام کہنا

رام رام کہنا سلام شرعی کی جگہ گناہ ہے کہ یہ کفار کا شعار ہے۔(۵)

(۱) سنن ابوداؤد، حدیث نمبر:۵۲۰۶۔
(۲) کفایت المفتی ۱/۳۴۶۔
(۳) فتاوی محمودیہ ۱۹/۹۳۔
(۴) فتاویٰ دارالافتاء دارالعلوم دیوبند:۹۲۸۳۔
(۵) کفایت المفتی:۹/۹۴۔

آفس میں غیر مسلم کو گڈ مارننگ کہنا

سوال: کیا آفس میں کافر آدمی کو گڈ مارننگ کہا جا سکتا ہے؟

جواب: کبھی ضرورتاً کہہ دیا تو گنجائش ہے، غیروں کا شعار ہے؛ اس لیے بچنا بہتر ہے۔(۱)

اگر غیر مسلم، مسلمان کو السلام علیکم کہہ دے تو؟

حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تمہیں یہود سلام کرتے ہیں تو اُن کا ہر ایک آدمی السام علیک (تم مرجاؤ) کہتا ہے تو تم جواب میں وعلیک کہو۔(۲)

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تمہیں اہل کتاب سلام کریں تو جواب میں ''وعلیکم'' کہو۔(۳)

معلوم ہوا کہ اگر وہ خود پہل کریں اور السلام علیکم یا السلام علیک کہیں تو اس کے جواب میں صرف ''وعلیکم'' یا ''وعلیک'' کہہ دیا جائے، اور بغیر واو کے بھی صرف ''علیکم'' یا ''علیک'' کہہ سکتے ہیں، علماء نے لکھا ہے کہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ غیر مسلم کے جواب میں ''ہداک اللہ'' (اللہ تجھے ہدایت دے) کہا جائے۔(۴)

کافر سلام بھیجوائے تو؟

اگر کوئی غیر مسلم شخص کسی مسلمان کے ذریعہ سلام بھیجوائے تو جواب میں وعلیکم السلام وہداہ اللہ الاسلام کہنا چاہیے۔(۵)

اگر غیر مسلم غیر اسلامی الفاظ میں سلام کرے تو؟

اگر کوئی غیر مسلم اپنے مسلم دوست وغیرہ کو غیر اسلامی الفاظ میں سلام کرے، مثلاً: جے

---

(۱) فتاویٰ دارالافتاء دارالعلوم دیوبند: ۸۵۴۸۔
(۲) بخاری، حدیث نمبر: ۶۲۵۶۔
(۳) بخاری، حدیث نمبر: ۶۲۵۸۔
(۴) مظاہر حق ۵/ ۳۴۰۔
(۵) فتاوی محمودیہ ۱۹/ ۹۷۔

رام، جے رام جی یا نمستے وغیرہ اور مسلمان ’’آداب‘‘ یا ’’آداب عرض ہے‘‘ کہہ دے یا صرف ہاتھ اٹھادے تو گنجائش ہے؛لیکن بہتر ہے کہ ہَدَاکَ اللّٰہُ الاسْلَامَ کہے۔(۱)

مسلم اور غیر مسلم کو خط میں سلام لکھنے کا طریقہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اس سلسلے میں یہ تھا کہ اگر مکتوب الیہ مسلمان ہوتا تو سلام کا مخاطب، خاص طور پر اُس کو بنایا جاتا، یعنی السلام علیکم جیسے الفاظ ہوتے، اور اگر مکتوب الیہ مسلمان نہ ہوتا تو پھر علی العموم سلام کے الفاظ ہوتے یعنی یوں لکھتے :سلامٌ عَلیٰ مَنِ اتَّبَعَ الہُدیٰ ،سلام کے بعد اصل مضمون ہوتا؛ چناں چہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل (شاہ روم) کو جو مکتوب ارسال کیا تھا، اُس میں سلام اِسی طرح تھا۔(۲)

غیر مسلموں سے خط وکتابت اور ملاقات کے وقت کیا لفظ استعمال کرنا چاہیے؟

ہمارے دیار میں غیر مسلموں سے سابقہ پڑتا رہتا ہے، ان سے خط وکتابت بھی ہوتی ہے، ملنا جلنا بھی ہوتا ہے،سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان سے خط وکتابت اور ملاقات کے وقت کیا لفظ استعمال کرنا چاہیے؟اسی طرح اگر کوئی غیر مسلم ’’السلام علیکم‘‘ کہے یا لکھے تو جواب میں کیا کہنا یا لکھنا چاہیے؟ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہ لکھتے ہیں:

> غیر مسلموں کو آداب یا ایسے کلماتِ احترام کہے جاسکتے ہیں جن میں مشرکانہ معنی نہ پائے جائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کو خطوط لکھتے ہوئے ’’السلام علی من اتبع الہدی‘‘ کی تاویل اختیار کی ہے، یہی کلمات لکھنا زیادہ مناسب ہے اگر اس سے فتنہ کا اندیشہ نہ ہو،اگر کوئی غیر مسلم خط میں ’’السلام علیکم‘‘ لکھے تو جواب میں ’’وعلیکم‘‘ لکھنے کی گنجائش ہے، جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے،،بہتر ہے کہ ایسی صورت میں ’’سلام‘‘ کے لفظ سے گناہ اور کفر سے سلامتی کے معنی مراد لیں۔(۳)

---

(۱) فتاوی محمودیہ ۱۹/ ۹۸۔

(۲) بخاری،حدیث نمبر:۷۔

(۳) کتاب الفتاوی ۶/ ۱۲۳۔

مسلمان سمجھ کر کسی کافر کو سلام کرلیا تو؟

راجح قول کے مطابق عام حالات میں کافر کو سلام کرنے میں پہل نہیں کرنا چاہئے ؛لیکن اگر کسی نے سامنے والے کو مسلمان سمجھا اور اسے سلام کیا، حالانکہ وہ کافر تھا تو اب وہ کیا کرے؟ علماء کا کہنا ہے کہ سلام چونکہ اپنے اعتقاد کے لحاظ سے مسلمان ہی کو کیا گیا ہے؛لہذا اس سے کافر کا اکرام وتوقیر نہیں ہوا؛ اس لئے کوئی مضائقہ نہیں ہے؛ البتہ حضرت نافع علیہ الرحمۃ سے منقول ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ایک جماعت کے پاس سے گذرے تو ان کو سلام کیا، کچھ آگے بڑھنے کے بعد ان کو معلوم ہوا کہ یہ مسلمان کی مجلس نہیں تھی؛ بلکہ یہودیوں کا مجمع تھا، آپ واپس تشریف لائے اور فرمایا میرا اسلام مجھے واپس کردو۔(۱) اور حضرت سلیمان تیمی علیہ الرحمۃ سے منقول ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ایک صاحب کے پاس سے گذرے اور ان کو سلام کیا اور آگے بڑھ گئے، ایک صاحب نے آپ کو بتلایا کہ جسے آپ نے سلام کیا ہے، وہ تو نصرانی ہے اور اس نے آپ کا سلام آپ کو واپس کردیا ہے ، اس خبر سے آپ بہت خوش ہوئے اور اس کو ان الفاظ کے ساتھ دعا دی : **اکثر الله مالک وولدک**۔(۲) اور یہ دعا بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم کسی یہودی یا نصرانی کو دعا دینا چاہو تو ان الفاظ میں دیا کرو:

أَكْثَرَ اللَّهُ مَالَكَ وَوَلَدَكَ -(۳)

اللہ تعالی تمہارے مال واولاد میں اضافہ فرمائے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا اس لئے کیا؛ تا کہ دوسرے حضرات آپ کے غفلت میں کئے ہوئے اس سلام کو حجت نہ بنالیں اور وہ بھی غیر مسلموں کو سلام کرنے میں پہل کرنا شروع کردیں، نیز یہ بھی ممکن تھا کہ کافر خوش فہمی میں مبتلا ہوجاتا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت بھی ہماری توقیر و تبجیل کررہی ہے؛ اس لئے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے سلام واپس لیا؛ تا کہ ان پر بھی واضح ہوجائے کہ دونوں کے درمیان کوئی الفت ومحبت نہیں ہے، امام مالک علیہ الرحمۃ نے بھی سلام کو واپس

(۱) شعب الایمان، حدیث نمبر: ۸۵۱۴۔
(۲) شعب الایمان، حدیث نمبر: ۸۵۱۵۔
(۳) تاریخ اصبہان ۲/ ۲۵۹، تذکرہ محمد بن یوسف الخ۔

لے لینے کومستحب قرار دیا ہے۔(۱)

کسی کے متعلق مسلمان یا کافر ہونے میں شک ہوتو؟

اگر کسی کے بارے میں یہ شک ہو کہ وہ مسلمان ہے یا کافر؟ اور کوئی جہت متعین نہ ہوسکے تو بھی سلام کرنا احتیاطا بہتر ہے؛ البتہ اگر اس کا کافر ہونا متحقق ہوجائے تو پھر سلام نہ کرے۔(۲)

جس مجلس میں مسلمان اور کافر دونوں ہوں تو؟

اگر کہیں مسلمان اور کافر ایک ہی مجلس میں ہوں، تو مسلمان کو سلام کرنے کی نیت کر کے سلام کیا جاسکتا ہے، اور سلام میں عام الفاظ استعمال کیا جائے، مثلا **السلام علیکم** (۳) غزوہ بدر سے پہلے ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لئے تشریف لے جارہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ردیف حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ تھے، راستہ میں ایک مجمع پر سے گذر ا ہوا، جس میں عبداللہ بن ابی، یہود اور مسلمان سب موجود تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل مجلس کو سلام کیا۔(۴)

اس حدیث کی بناء پر ابن عربی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اگر کسی مجلس میں اہل سنت اور اہل بدعت ہوں، یا کچھ نیکوکار اور کچھ بدکار ہوں تو ان کو بھی عام الفاظ میں سلام کیا جائے اور نیت اہل سنت اور نیکوکار لوگوں کو سلام کرنے کی ہو۔(۵) اور اگر ایسے مجامع میں **السلام علیکم** کے بجائے **السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین** کے ذریعہ سلام کیا جائے تو یہ بھی جائز ہے؛ کیونکہ اس سے خود بخود وہ حضرات نکل جاتے ہیں، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہرقل وغیرہ جو خط لکھا تھا، اس میں یہ لفظ استعمال فرمایا تھا: **سلام علی من اتبع الهدی** (۶) حضرت معمر علیہ الرحمۃ اپنے

(۱) سبل السلام ۲/ ۶۲۱، **ابتداء الیهود والنصاری بالسلام۔**
(۲) فتح الباری ۱۱/ ۲۵۔
(۳) الاذکار للنووی، ص: ۴۲۰، **فی السلام علی اخلاط من الناس۔**
(۴) بخاری، حدیث نمبر: ۵۶۶۴۔
(۵) فتح الباری ۱۱/ ۳۹، **باب التسلیم فی المجلس فیه اختلاط من المسلمین والمشرکین۔**
(۶) حوالہ سابق۔

استاذ حضرت قتادہ علیہ الرحمۃ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اہل کتاب کے یہاں جب جایا کروتو ان کو ان الفاظ سے سلام کیا کرو: **السلام علی من اتبع الھدی** (۱) اور ابن عون علیہ الرحمۃ نے بھی اپنے استاد محمد بن سیرین علیہ الرحمۃ سے یہی نقل کیا ہے(۲)

مذکورہ اہل معاصی کے حکم میں وہ حضرات بھی داخل ہیں جو مروت کے خلاف امور کے مرتکب ہیں، مثلا: کثرت مزاح میں مشغول رہتے ہیں، لہوولعب جن کا مشغلہ ہوتا ہے، فحش کلام کے عادی ہوتے ہیں، یا چوک چوراہوں پر عورتوں کو گھورنے کے لئے بیٹھ جاتے ہیں؛ لہذا ان لوگوں کو بھی سلام نہ کیا جائے اور اگر یہ نیکوکار کی مجلس میں ہوں تو انہی کو سلام کرنے کی نیت سے سلام کیا جائے، امام مالک علیہ الرحمۃ کا کہنا ہے اہل اہواء کو بھی سلام نہ کیا جائے؛ تاکہ وہ اپنے برے افعال سے باز آ جائیں۔(۳) امام نووی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ بدعتی اور گناہ کبیرہ کے مرتکب حضرات کو توبہ کرنے سے پہلے سلام نہ کیا جائے اور نہ ان کے سلام کا جواب دیا جائے۔(۴) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شرابی کو سلام نہ کیا کرو۔(۵) سنن سعید بن منصور میں یہی بات حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔(۶)

کافروں کے سلام کا جواب

کافروں کے سلام کا جواب دیا جائے یا نہ دیا جائے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے، جمہور کے نزدیک ان کے سلام کا جواب دینا واجب ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سلام خواہ یہودی کرے یا نصرانی ومجوسی، ہر ایک کے سلام کا جواب دیا جائے؛ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

واذا حییتم بتحیة فحیوا باحسن منھا او ردوھا (۷)

---

(۱) مصنف عبدالرزاق، حدیث نمبر:۹۸۴۱۔
(۲) مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر:۲۵۹۸۸۔
(۳) فتح الباری ۱۱/۴۰، **باب من لم یسلم علی من یقترف ذنبا**۔
(۴) الاذکار،ص:۴۲۲۔
(۵) الادب المفرد، حدیث نمبر:۱۰۱۷۔
(۶) فتح الباری ۱۱/۴۱۔
(۷) الادب المفرد، حدیث نمبر:۱۱۰۷۔

اس سے معلوم ہورہا ہے کہ سلام خواہ کوئی کرے، اسے اچھے انداز میں جواب دینا چاہئے، ورنہ کم از کم وہی جواب دینا چاہئے، ابن بطال رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ایک جماعت نے ذمیوں کے سلام کے جواب کو آیت بالا کے عموم کی وجہ سے فرض قرار دیا ہے، اسی کے قائل امام شعبی اور حضرت قتادہ رحمہا اللہ ہیں۔(۱) علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اسی موقف کو درست اور صحیح قرار دیا ہے۔(۲) کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ اہل کتاب ہم لوگوں کو سلام کرتے ہیں، ہم ان کا جواب کس طرح دیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **وعلیکم** جواب میں کہا کرو۔(۳)

البتہ امام مالک اور دیگر علماء نے فرمایا کہ جواب دینا ضروری نہیں ہے، بلکہ ان کے سلام کا جواب نہ دیا جائے، حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ارشاد باری تعالی: **واذاحییتم بتحیۃ الخ** والی آیت میں حکم صرف مسلمانوں کے لئے ہے، یہ حکم ہر ایک کے لئے عام نہیں ہے؛ لہذا کافر کے سلام کا جواب دینا آیت سے ثابت نہیں ہوتا، ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس موقف کو راجح قرار دیا ہے۔(۴)

کافروں کے سلام کا جواب کس طرح دیا جائے؟

کافر کو سلام کرنے میں پہل تو نہیں کرنا چاہئے؛ لیکن اگر وہ پہل کردے تو اس کا جواب کس طرح دینا چاہئے، بخاری کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یا صحابہ کرام کو سلام کیا کرتے تھے تو **السام علیک** کے ذریعہ سلام کرتے تھے، یعنی تم موت ہو، تم مر جاؤ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ تم ان کے جواب میں **وعلیک** کہو۔(۵) خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ایک یہودی کے سلام کا جواب **وعلیکم** کے ذریعہ دیا ہے۔(۶) اور بعض روایات میں ''واؤ'' کے بغیر بھی ہے۔(۷)

اختلاف روایت کی بناء پر علماء کے درمیان اختلاف ہوگیا کہ ان دو روایات میں سے کس

---

(۱) فتح الباری ۱۱/۴۲، **باب کیف الرد علی اھل الذمۃ بالسلام۔**
(۲) زادالمعاد ۲/۳۸۹، **ھل رد السلام فرض کفایۃ۔**
(۳) سنن ابوداؤد، حدیث نمبر: ۵۲۰۷۔
(۴) فتح الباری ۱۱/۴۲، **باب کیف الرد علی اھل الذمۃ بالسلام۔**
(۵) بخاری، حدیث نمبر: ۶۲۵۷۔ (۶) حوالہ سابق، حدیث نمبر: ۶۲۵۶۔
(۷) فتح الباری ۱۱/۴۴، **باب کیف الرد علی اھل الذمۃ السلام۔**

کو ترجیح دی جائے، اور اہل کتاب کو جواب دیتے وقت ''واؤ'' کے ساتھ جواب دیا جائے یا بغیر واؤ کے، ابن عبدالبر علیہ الرحمہ نے یزید بن حبیب علیہ الرحمہ سے نقل کیا ہے واؤ کے بغیر جواب دیا جائے، بعض حضرات کا یہ بھی کہنا ہے کہ جواب میں **علیکم السِلام** کہا جائے، سلام سین کے زیر کے ساتھ پتھر کے معنی میں آتا ہے؛ لیکن عبدالبر علیہ الرحمہ کا کہنا ہے کہ یہ مزاج شریعت کے خلاف ہے؛ کیونکہ بلاوجہ کسی کو برا بھلا کہنے سے مسلمانوں کو منع کیا گیا ہے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس وقت منع فرمایا تھا جب کہ انہوں نے ایک یہودی کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کے جواب میں **علیکم السام و اللعنة** فرمایا تھا۔ (۱) اور ابن بطال علیہ الرحمہ نے علامہ خطابی علیہ الرحمہ سے نقل کیا ہے کہ جس روایت میں واؤ نہیں ہے وہ سند کے لحاظ سے بہتر روایت ہے؛ لیکن ابن حجر علیہ الرحمہ نے اس پر رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ تو بڑی جسارت کی بات ہے؛ کیونکہ واؤ کی صراحت حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، جو بخاری میں مذکور ہے، علامہ نووی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ واؤ والی روایت بھی صحیح سند سے ثابت ہے اور اس کے ماننے میں کوئی خرابی بھی نہیں ہے؛ کیونکہ جب قائل نے **السام علیکم** کہا اور جواب دینے والے نے **وعلیکم** کہا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس طرح تم ہم پر موت کی بددعا کر رہے ہو، تمہارے لئے بھی موت ہی ہو، گویا ہم اور تم اس معاملے میں برابر ہو، تم پر بھی اور ہم پر بھی مستقبل میں موت آنے والی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس واؤ کو عطف کے لئے ماننے کے بجائے مستانفہ مانا جائے اور اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ تم ہی مذمت ونفرت کے مستحق ہو اور جو تم ہمارے لئے چاہتے ہو ہم بھی تم کو اس کا مستحق سمجھتے ہیں اور ابن دقیق العید علیہ الرحمہ نے ابن رشد علیہ الرحمہ کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ جس روایت میں واؤ کا ذکر ہے اسے اس صورت پر محمول کیا جائے جب کہ یہ یقین سے معلوم نہ ہو کہ سلام کرنے والے نے **السام** یا **السلام** کے ذریعہ سلام کیا ہے اور جب یہ اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ اس نے **السام** یا **السلام** ہی کے ذریعہ سلام کیا ہے تو پھر بغیر واؤ کے جواب دیا جائے، اس طرح دونوں روایات پر عمل ہو جائے گا۔ (۲)

---

(۱) بخاری، حدیث نمبر: ۶۹۲۷۔

(۲) فتح الباری ۱۱/۴۶، **باب کیف الرد علی اھل الذمة السلام۔**

باب الاستیذان
(گھر میں داخل ہوتے وقت اجازت لینے کے آداب)

گھر میں داخل ہوتے وقت سلام

اگر کسی کا خود اپنا گھر ہو، اس کے علاوہ کوئی اور اس مکان میں نہ رہتا ہو تو بھی اس میں داخل ہوتے وقت سلام کرنا چاہیے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ-(۱)

جب تم گھروں میں جانے لگو تو اپنے لوگوں کو سلام کرلیا کرو۔(۲)

آیت کا ترجمہ معروف تفسیر کے مطابق کیا گیا ہے؛ لیکن آیت کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ جب تم اپنے گھر میں داخل ہونا چاہو اور اس میں کوئی نہ ہو تو خود کو سلام کرو اور یہ الفاظ کہو: **السلام علینا وعلی عباد اللّٰہ الصالحین**۔ تمہارے سلام کا جواب فرشتے دیں گے۔(۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس گھر میں پہلے سے کوئی موجود نہ ہو اور اس میں جانا ہو تو ان الفاظ سے سلام کرو: **السلام علینا وعلی عباد اللّٰہ الصالحین**۔(۴) یہی بات حضرت عکرمہ علیہ الرحمۃ سے بھی منقول ہے۔(۵) البتہ حضرت مجاہد علیہ الرحمۃ سے تھوڑا اضافہ کے ساتھ منقول ہے: **بسم اللّٰہ الحمد للّٰہ السلام علینا وعلی عباد اللّٰہ الصالحین**۔(۶)

---

(۱) النور:۶۱۔
(۲) ترجمہ حکیم الامت۔
(۳) تفسیر مظہری:۶/ ۵۶۳، مکتبہ رشیدیہ پاکستان، تحقیق غلام نبی تونسی۔
(۴) مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر:۲۵۸۳۵۔
(۵) حوالہ سابق، حدیث نمبر:۲۵۸۳۴۔
(۶) حوالہ سابق، حدیث نمبر:۲۵۸۳۷۔

گھروالوں کوسلام کرنا خیروبرکت کا سبب ہے

آج کل عموماً آدمی رزق میں، آل واولاد میں اور دوکان وتجارت میں بے برکتی کا رونا روتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا آسان حل بتایا کہ گھروالوں کو اخلاص کے ساتھ اور حضور کی سنت سمجھ کر سلام کرنا خیروبرکت کا سبب ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

يَا بُنَيَّ إِذَا دَخَلْتَ عَلَى أَهْلِكَ فَسَلِّمْ يَكُونُ بَرَكَةً عَلَيْكَ وَعَلَى أَهْلِ بَيْتِكَ - (۱)

بیٹے! جب تم اپنے گھروالوں کے پاس جاؤ تو سلام کیا کرو، وہ سلام تم پر اور تمہارے گھروالوں پر خیروبرکت اور نزولِ رحمت کا باعث ہوگا۔

اور حضرت امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ثَلَاثَةٌ كُلُّهُمْ ضَامِنٌ عَلَى اللَّهِ، إِنْ عَاشَ كُفِيَ، وَإِنْ مَاتَ دَخَلَ الْجَنَّةَ: مَنْ دَخَلَ بَيْتَهُ بِسَلَامٍ فَهُوَ ضَامِنٌ عَلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَمَنْ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَهُوَ ضَامِنٌ عَلَى اللَّهِ، وَمَنْ خَرَجَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَهُوَ ضَامِنٌ عَلَى اللَّهِ - (۲)

تین لوگ اللہ تعالیٰ کی ضمانت وحفاظت میں ہوتے ہیں، اگر وہ زندہ ہیں تو اللہ کفایت فرماتا ہے اور وفات پاگئے تو جنت میں داخل ہوں گے: جولوگ اپنے گھروں میں سلام کرکے داخل ہوتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی ضمانت وحفاظت میں ہوتے ہیں، مسجد میں جانے والا شخص اللہ تعالیٰ کی ضمانت وحفاظت میں ہوتا ہے، مجاہد اللہ تعالیٰ کی ضمانت وحفاظت میں ہوتے ہیں۔

اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(۱) سنن ترمذی، حدیث نمبر:۲۶۹۸۔
(۲) الادب المفرد، حدیث نمبر:۱۰۲۸۔

إِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتَكُمْ فَسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا، وَإِذَا طَعِمْتُمْ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ، وَإِذَا سَلَّمَ أَحَدُكُمْ حِينَ يَدْخُلُ بَيْتَهُ وَذَكَرَ اسْمَ اللَّهِ عَلَى طَعَامِهِ يَقُولُ الشَّيْطَانُ لِأَصْحَابِهِ: لَا مَبِيتَ لَكُمْ وَلَا عَشَاءَ وَإِذَا لَمْ يُسَلِّمْ أَحَدُكُمْ وَلَمْ يُسَمِّ يَقُولُ الشَّيْطَانُ لِأَصْحَابِهِ: أَدْرَكْتُمُ الْمَبِيتَ وَالْعَشَاءَ۔ (۱)

جب تم لوگ اپنے گھروں میں جاؤ تو گھر والوں کو سلام کرلیا کرو اور جب کھانا کھاؤ تو اللہ کا نام لے لیا کرو؛ کیوں کہ جو کوئی گھر میں داخل ہوتے وقت (گھر والوں کو) سلام کرلیتا ہے اور کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھ لیتا ہے تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے: **لا مبیت لکم ولا عَشاء** کہ (چلو) یہاں سونے اور کھانے کو کچھ نہیں ملے گا اور اگر داخل ہوتے ہوئے سلام نہیں کرتا اور (کھاتے وقت) بسم اللہ نہیں پڑھتا تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے: **أدرکتم المبیت والعشاء** (چلو) سونے اور کھانے کا انتظام ہوگیا۔

حدیث میں **لا مبیت لکم الخ** برکت سے کنایہ ہے اور **أدرکتم المبیت الخ** بے برکتی سے کنایہ ہے؛لہذا گھر میں داخل ہوتے وقت اہتمام کے ساتھ سلام کرنا چاہئے اور اس سلسلے میں کوتاہی اور غفلت نہیں کرنی چاہئے۔

اپنے گھر میں آنے کا طریقہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَإِذَا دَخَلْتُم بُيُوتاً فَسَلِّمُوا عَلَى أَنفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً۔(۲)

جب تم اپنے گھروں میں داخل ہونے لگو،تو اپنے لوگوں کو (یعنی وہاں جو ہوں اُن کو) سلام کرلیا کرو (جو کہ) دعا کے طور پر (ہے) اور جو خدا کی

(۱) مستدرک حاکم،حدیث نمبر:۳۵۱۵۔
(۲) النور:۶۱۔

طرف سے متعین ہے۔

یعنی اہل خانہ کو سلام کرنا چاہیے، اس سے محبت وتعلق میں اضافہ ہوتا ہے، اُس میں دوام اور پائیداری پیدا ہوتی ہے؛ لہٰذا گھر میں داخل ہوتے سلام کرنا چاہیے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا ہی معمول تھا۔(۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیٹے! جب تم اپنے گھر والوں سے ملو تو سلام کرلیا کرو، وہ سلام تم پر اور تمہارے گھر والوں پر خیر وبھلائی کا سبب ہوگا۔(۲)

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی اپنے گھر میں جائے تو یہ دعا پڑھے: **اللهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلَجِ، وخَيْرَ المَخْرَجِ بِاسْمِ اللّٰهِ وَلَجنا، باسمِ اللّٰهِ خَرَجْنَا، وعَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا،** پھر گھر والوں کو سلام کرے۔(۳)

جس گھر میں رشتہ دار ہوں تو؟

اگر ایسے گھر میں جانا ہو جہاں خویش واقارب اور رشتہ دار رہتے ہوں تو ظاہر ہے کہ سلام کئے بغیر نہیں جانا چاہیے، نبی کریم ﷺ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو خاص طور پر نصیحت فرمائی تھی کہ بیٹے! جب تم اپنے گھر جایا کرو تو سلام کیا کرو، یہ تمہارے لیے بھی اور تمہارے گھر والوں کے لیے بھی باعثِ برکت ہے۔(۴) جو رشتہ دار اور محارم عموماً ایک گھر میں رہتے ہیں اور ہر وقت آتے جاتے رہتے ہیں اور ان سے عورتوں کا پردہ بھی نہیں ہے، ایسے لوگوں کے لیے بھی اجازت لینے کا حکم ہے؛ لیکن یہ حکم واجب نہیں ہے؛ بلکہ استحبابی ہے، جس کو ترک کرنا مکروہِ تنزیہی ہے، قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

فمن أراد الدخول في بيت نفسه وفيه محرماته يكره له الدخول فيه من غير استئذان تنزيها لاحتمال

(۱) مسلم شریف، حدیث نمبر:۱۴۲۸۔
(۲) سنن ترمذی، حدیث نمبر:۲۶۹۸۔
(۳) سنن ابوداؤد، حدیث نمبر:۵۰۹۶۔
(۴) سنن ترمذی، حدیث نمبر:۲۶۹۸۔

رؤيته واحدة منهن عريانة وهو احتمال ضعيف ومقتضاه التنزه عنه-(۱)

پس جو شخص خود اپنے گھر میں داخل ہونا چاہے اور اس میں ان کے لیے محرم خواتین ہوں تو بغیر اجازت کے داخل ہونا مکروہِ تنزیہی ہے؛ کیونکہ ایسی صورت میں ان پر بے ستری کی حالت نظر پڑ جانے کا احتمال ہے؛ لیکن یہ احتمال ضعیف ہے، یہی وجہ ہے کہ بغیر اجازت داخل ہونا مکروہِ تنزیہی ہے۔

گھر سے باہر جاتے وقت گھر والوں کو سلام

حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا دَخَلْتُمْ بَيْتًا فَسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهِ، فَإِذَا خَرَجْتُمْ فَأَوْدِعُوا أَهْلَهُ بِسَلَامٍ - (۲)

جب تم گھر میں جاؤ تو اپنے گھر والوں کو سلام کرو اور جب گھر سے باہر نکلو تو اپنے گھر والوں کو سلام کے ذریعہ رخصت کرو۔

یعنی گھر سے باہر جاتے وقت اپنے اہل وعیال: ماں، باپ، بیوی وغیرہ کو سلام کے ذریعہ الوداع کہو، حدیث کے الفاظ عام ہیں؛ لہٰذا یہ رخصتی سلام اُس وقت بھی مسنون ہوگا جب کہ دور کا سفر ہو اور اُس وقت بھی جب شہر ہی میں کسی کام سے جانا ہو؛ عموماً لوگ جب دور دراز کے سفر پر جاتے ہیں تو اُس وقت وداعی سلام کرتے ہیں؛ لیکن جب گھر سے نکل کر قریب کسی جگہ جاتے ہیں مثلاً: دوکان یا گھریلو اشیاء کی خریداری کے لیے جاتے ہیں تو عموماً اُس وقت سلام کرنے میں سستی اور غفلت پائی جاتی ہے، حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت بھی سلام کرنا چاہیے اور جسے سلام کیا جائے اُسے جواب بھی دینا چاہیے۔

استیذان کا حکم

یہ حکم گھر میں داخل ہونے سے پہلے کا ہے؛ لیکن جب گھر میں داخل ہوجائیں تو چونکہ ہر

(۱) تفسیر مظہری ۶/ ۵۵۸، تحقیق غلام نبی تونسی، مکتبہ رشیدیہ، پاکستان۔
(۲) شعب الایمان، حدیث نمبر: ۸۴۵۹۔

ایک کا دوسرے سے ملنا جلنا ہوتا رہتا ہے اور ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے رہتے ہیں؛ اس لیے قرآن پاک نے تین اوقات جو انسان کے خلوت میں رہنے کے اوقات ہیں، ان میں ایک اور استیذان کا حکم دیا ہے، وہ تین اوقات صبح کی نماز سے پہلے، دوپہر کو آرام کرنے کے وقت اور عشاء کی نماز کے بعد کے اوقات ہیں، ان اوقات میں محرم کو حتی کہ سمجھدار نابالغ بچوں کو بھی استیذان کا پابند کیا گیا ہے کہ ان تین اوقات میں کوئی کسی کی خلوت گاہ میں بغیر اجازت کے نہ جائے؛ کیونکہ ان اوقات میں ہر انسان آزاد اور بے تکلف رہنا چاہتا ہے، جسم کے زائد کپڑے بھی اتار دیتا ہے، ان اوقات میں کوئی ہوشیار بچہ یا گھر کی کوئی عورت یا اپنی اولاد میں سے کوئی بغیر اجازت کے اندر آجائے تو بسا اوقات انسان شرما جاتا ہے، اذیت پہونچتی ہے اور کم از کم اس کی بے تکلفی اور آرام میں تو خلل پڑتا ہی ہے؛ اس لیے ان تین اوقات میں کوئی کسی کے پاس بغیر اجازت کے نہ جائے، یہ حکم سورۂ نور کی آیت: ۵۸ و ۵۹ میں صراحت کے ساتھ دیا گیا ہے؛ البتہ ان تین اوقات کے علاوہ ایک گھر کے رہنے والے ایک دوسرے کے ساتھ بلا اجازت جانا چاہیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے؛ کیونکہ وہ اوقات عموماً ہر شخص کے کام کاج میں مشغول ہونے اور اعضائے مستورہ کو چھپائے رکھنے کے ہیں۔(۱)

رشتہ دار کے لیے اجازت لینے کا حکم

علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اقارب کے لیے اجازت لینے کا حکم واجب ہے یا استحبابی؟ اور یہ کہ یہ حکم اب بھی جاری ہے یا منسوخ ہوگیا، علامہ قرطبی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ جمہور فقہاء کے نزدیک آیتِ استیذان محکم اور غیر منسوخ ہے اور حکم وجوب کے لیے ہے، مردوں کے واسطے بھی ہے اور عورتوں کے واسطے بھی۔(۲) مگر یہ وجوب اس صورت میں ہے جب کہ ان اوقات میں اعضائے مستورہ کھلے ہوتے ہوں، عام آدمی خلوت چاہتے ہوں اور اس میں بسا اوقات اپنی بیوی کے ساتھ مشغول ہوتے ہوں؛ لیکن اگر لوگ اس کی احتیاط کرلیں کہ ان اوقات میں بھی اعضائے مستورہ کو چھپائے رکھیں گے اور بیوی سے اختلاط بھی اس وقت کریں گے جب کہ کسی کے آنے کا

(۱) معارف القرآن شفیعی ۶ / ۴۳۳۔

(۲) تفسیر قرطبی ۱۲ / ۳۰۳ تحقیق احمد البردونی، مکتبہ دار الکتب المصریہ۔

احتمال نہ ہوتو پھر بچوں اور اقارب کو استیذان کا پابند کرنا ضروری نہ ہوگا؛ البتہ اس کا مستحسن اور مستحب ہونا ہر حال میں ہے۔(۱)

استیذان کی اہمیت

اسلامی آداب معاشرت کا ایک اہم باب استیذان ہے، یعنی کسی کی ملاقات کیلئے جایا جائے تو پہلے اس سے اجازت لے لی جائے، اجازت کے بغیر کسی کے گھر میں داخل ہونا اسلامی معاشرت میں ایک ناپسندیدہ اور غیر شرعی حرکت ہے، جو ایک مسلمان کو زیب نہیں دیتا، استیذان کا حکم قرآن پاک میں بڑی تفصیل سے دیا گیا ہے، نبی کریم ﷺ نے اپنے قول وعمل سے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے؛ لیکن بہت سے مسلمان اس سے غافل ہوگئے، اسلامی احکام میں سب سے پہلے سستی اسی حکم میں شروع ہوئی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تین آیتیں ایسی ہیں جن پر لوگوں نے عمل کرنا چھوڑ ہی دیا ہے، ایک یہی آیت استیذان:

> يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنْكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَكُمْ ۔الخ۔(۲)
>
> اے ایمان والو! جو غلام لونڈیاں تمہاری ملکیت میں ہیں اور تم میں سے جو بچے ابھی بلوغ تک نہیں پہنچے ان کو چاہیے کہ وہ تین اوقات میں (تمہارے پاس آنے کے لیے) تم سے اجازت لیا کریں: نماز فجر سے پہلے، اور جب تم دوپہر کے وقت اپنے کپڑے اتار کر رکھا کرتے ہو اور نماز عشاء کے بعد، یہ تین وقت تمہارے پردے کے اوقات ہیں۔

اس آیت میں اقارب اور نابالغ بچوں کو بھی استیذان کی تعلیم ہے اور اجازت لیے بغیر کسی کو اندر آنے کی اجازت نہیں ہے۔

---

(۱) معارف القرآن ۶/ ۴۳۴، مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی علیہ الرحمۃ۔
(۲) النور: ۵۸۔

اور دوسری آیت:

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُمْ مِنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا۔(۱)

اور جب (میراث کی) تقسیم کے وقت (غیر وارث) رشتہ دار، یتیم اور مسکین لوگ آجائیں، تو ان کو بھی اس میں سے کچھ دے دو، اور ان سے مناسب انداز میں بات کرو۔

جس میں تقسیم میراث کے وقت وارثوں کو اس کی ہدایت کی گئی ہے کہ اگر مال وراثت تقسیم کرنے کے وقت کچھ ایسے رشتہ دار بھی موجود ہو جائیں، جن کا ضابطۂ میراث سے کوئی حصہ نہیں ہے تو ان کو بھی کچھ دے دیا کرو کہ ان کی دل شکنی نہ ہو۔

اور تیسری آیت:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ ۔ (۲)

اللہ کے نزدیک تم سب میں باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ سب سے زیادہ معزز و مکرم وہ آدمی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو اور آج کل لوگ معزز و مکرم اس کو سمجھتے ہیں جس کے پاس پیسہ بہت ہو، جس کا مکان، کوٹھی بنگلہ بہت شاندار ہو (۳) ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان تین آیتوں کے معاملہ میں لوگوں پر شیطان غالب آ گیا ہے۔ (۴) حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ دو حضرات نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ان تین اوقات کے متعلق جس کے بارے میں قرآن پاک نے اقارب اور بچوں کو بھی اجازت لینے کا حکم دیا ہے، دریافت کیا کہ لوگ اس پر عمل نہیں کرتے تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

---

(۱) النساء:۸۔
(۲) الحجرات:۱۳۔
(۳) تفسیر ابن ابی حاتم، حدیث نمبر:۱۴۷۸۹، تحقیق: اسعد محمد طیب۔
(۴) حوالہ سابق، حدیث نمبر:۱۴۷۸۸۔

إِنَّ اللهَ سِتِّيرٌ يُحِبُّ السَّتْرَ. (۱)

اللہ بہت پردہ پوشی کرنے والا ہے اور ستر کی حفاظت کو پسند کرتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ان آیات کے نزول کے وقت معاشرت بہت سادہ تھی، نہ لوگوں کے دروازوں پر پردے تھے، نہ گھر کے اندر پردہ دار مسہریاں تھیں، اس وقت اگر کسی آدمی کا خادم یا بیٹا بیٹی اچانک آجاتے اور یہ آدمی اپنی بیوی کے ساتھ بے تکلفی کی حالت میں ہوتا تو کتنی شرمندگی ہوتی؛ اس لیے اللہ جل شانہ نے ان آیات کے اندر تین وقتوں میں استیذان کی پابندی لگادی تھی اور اب چونکہ دروازوں پر پردے اور گھر میں پردہ دار مسہریاں ہیں؛ اس لیے لوگوں نے یوں سمجھ لیا کہ بس یہ پردہ کافی ہے اور اب استیذان کی ضرورت نہیں ہے، (حالانکہ ایسا نہیں ہے)(۲)

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں استیذان کا حکم کتنا اہم ہے، اس سے جانبین کی رعایت اور راحت مقصود ہے، ذیل میں استیذان کے متعلق کچھ احکام معارف القرآن شفیعی کی روشنی میں درج کیے جاتے ہیں:

استیذان کی حکمتیں

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اس کے رہنے کے واسطے جو جگہ عطا کی ہے خواہ وہ مملوکہ ہو یا کرایہ کا ہو، بہر حال وہ اس کا گھر اور مسکن ہے، اور مسکن کی اصل غرض سکون وراحت ہے، قرآن کریم نے اسے نعمت کے مقام میں ذکر کیا ہے؛ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُم مِّن بُيُوتِكُمْ سَكَناً ۔ (۳)

اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے گھروں سے تمہارے لیے سکون وراحت کا سامان دیا۔

اور یہ سکون وراحت اسی وقت مل سکتا ہے جبکہ انسان کسی دوسرے شخص کی مداخلت کے بغیر اپنے گھر میں اپنی ضرورت کے مطابق آزادی سے کام اور آرام کر سکے، اس کی آزادی میں خلل ڈالنا گھر کی اصل مصلحت کو فوت کرنا ہے، جو بڑی ایذاء وتکلیف ہے، اسلام نے کسی کو بھی ناحق

---

(۱) سنن کبری للبیہقی، حدیث نمبر: ۱۳۵۵۹۔
(۲) حوالہ سابق۔
(۳) النحل: ۸۰۔

تکلیف پہونچانا حرام قرار دیا ہے، استیذان کے احکام میں ایک بڑی مصلحت یہ ہے کہ لوگوں کی آزادی میں خلل نہ پڑے اوران کی ایذاء رسانی سے بچا جائے۔

دوسری مصلحت خوداس شخص کی ہے جوکسی کی ملاقات کے لیےاس کے پاس گیاہے کہ جب وہ اجازت لے کر شائستہ انسان کی طرح ملے گا تو مخاطب بھی اس کی بات قدر ومنزلت سے سنے گا اور اگر اس کی کوئی حاجت ہے تو اس کو پورا کرنے کا داعیہ اس کے دل میں پیدا ہوگا، اس کے برخلاف اگر وہ وحشیانہ طرز سے کسی شخص پر بغیر اس کی کی اجازت کے مسلط ہوگیا تو مخاطب اس کو بلائے ناگہانی سمجھ کر دفع الوقتی سے کام لے گا، خیر خواہی کا داعیہ بھی مضمحل ہوجائے گا اوراس کوایذاء مسلم کا گناہ الگ ہوگا۔

تیسری مصلحت فواحش اور بے حیائی کا انسداد ہے کہ بلا اجازت کسی کے مکان میں داخل ہونے سے یہ بھی احتمال ہے کہ غیر محرم عورتوں پر نظر پڑے اور شیطان دل میں وسوسہ پیدا کردے، یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں احکام استیذان کو حدزنا اور حدقذف وغیرہ احکام کے متصل لایا گیا ہے۔

چوتھی مصلحت یہ ہے کہ انسان بعض اوقات اپنے گھر کی تنہائی میں کوئی ایسا کام کررہا ہوتا ہے جس پر دوسروں کو مطلع ہونا مناسب نہیں سمجھتا، اگر کوئی شخص بغیر اجازت کے گھر میں آجائے تو وہ جس چیز کو دوسروں سے پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا اس پر مطلع ہوجائے گا اور کسی کے پوشیدہ راز کو زبردستی معلوم کرنے کی فکر بھی گناہ اور دوسروں کیلئے موجب ایذاء ہے، انہی وجوہ سے استیذان کی مشروعیت ہوئی ہے۔

استیذان کا حکم مرد وعورت دونوں کے لئے ہے

استیذان کا حکم اگر چہ ''**يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا**'' سے شروع کیا گیا ہے، جو مردوں کیلئے استعمال ہوتا ہے، مگر عورتیں بھی اس حکم میں داخل ہیں، یہی وجہ ہے کہ صحابیات رضوان اللہ علیہن کا بھی معمول تھا کہ جب وہ کسی کے گھر جایا کرتی تھیں تو اجازت لینے کے بعد ہی گھر میں داخل ہوا کرتی تھیں، حضرت ام ایاس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم چار عورتیں اکثر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جایا کرتی تھیں اور گھر میں جانے سے پہلے ان سے استیذان کرتی تھیں، جب وہ

اجازت دیتیں تب ہم سب اندر جایا کرتی تھیں۔(۱)

لہٰذا جب کوئی عورت کسی عورت کے پاس جائے، یا کوئی مرد کسی مرد کے پاس جائے تو انہیں اجازت لینے کے بعد ہی گھر میں داخل ہونا چاہیے، اسی طرح ایک شخص اگر اپنی ماں اور بہن یا دوسری محرم عورتوں کے پاس جائے تو بھی استیذان کرنا چاہیے، حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے مرسلاً روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ کیا میں اپنی والدہ کے پاس جاتے وقت بھی استیذان کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں استیذان کرو، اس شخص نے کہا: میں اپنی والدہ کے ساتھ گھر میں رہتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: پھر بھی اجازت لیے بغیر گھر میں داخل نہ ہوا کرو، اس نے پھر عرض کیا کہ میں تو ہر وقت ان کی خدمت میں رہتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر بھی ان سے اجازت لیے بغیر گھر میں داخل مت ہو، کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ اپنی والدہ کو ننگی دیکھو؟ اس نے کہا کہ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اسی لیے تو استیذان کرنا چاہیے۔(۲)

جس گھر میں صرف بیوی ہو تو؟

جس گھر میں صرف بیوی رہتی ہو تو اس میں داخل ہونے کیلئے اپنے پاؤں کی آہٹ سے یا کھنکار سے یا کسی اور طرح سے باخبر کردے، پھر داخل ہو، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ فرماتی ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب کبھی باہر سے آتے تھے تو دروازہ پر کھنکارتے، تھوک پھینکتے اور اس طرح اپنے آنے سے باخبر کردیتے؛ تاکہ وہ ہمیں کسی ایسی حالت میں نہ دیکھیں جو ان کو پسند نہ ہو۔(۳)

استیذان کے اس صورت میں واجب نہ ہونے کی دلیل وہ روایت ہے جس میں حضرت ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ نے جب حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ کوئی آدمی اپنی بیوی کے پاس جائے تو وہ بھی بیوی سے اجازت لیا کرے؟ جواب میں حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اسے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے، حافظ ابن کثیر علیہ الرحمۃ نے اس

(۱) تفسیر ابن ابی حاتم، حدیث نمبر: ۱۴۳۶۳۔
(۲) مؤطا امام مالک، حدیث نمبر: ۳۵۳۸۔
(۳) مسند احمد، حدیث نمبر: ۳۶۱۵۔

روایت کونقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

وَهَذَا مَحْمُولٌ عَلَى عَدَمِ الْوُجُوبِ، وَإِلَّا فَالْأَوْلَى أَنْ يُعْلِمَهَا بِدُخُولِهِ وَلَا يُفَاجِئَهَا بِه - (۱)

یہ روایت عدم وجوب پر محمول ہے؛ لیکن اولی اور مستحب یہی ہے کہ اپنے داخل ہونے سے اسے آگاہ کردے اور اچانک داخل نہ ہو۔

استیذان کا طریقہ

قرآن پاک میں استیذان کا جو طریقہ بتایا گیا ہے وہ یہ ہے:

حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَہْلِہَا۔(۲)

(یعنی دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہو) جب تک اجازت حاصل نہ کرلو اوران کے رہنے والوں کوسلام نہ کرلو۔

گویا کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے دو کام کرنے کا حکم ہے، ایک استیناس، اس کے لفظی معنی طلب اُنس کے ہیں، اس سے مراد جمہور مفسرین کے نزدیک استیذان یعنی اجازت حاصل کرنا ہے اور استیذان کو استیناس کے لفظ سے ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ داخل ہونے سے پہلے اجازت حاصل کرنے میں مخاطب مانوس ہوتا ہے اور اس کو وحشت نہیں ہوتی ہے اور دوسرا کام یہ ہے کہ گھر والوں کو سلام کرو، اس کا مفہوم بعض مفسرین نے تو یہ لیا ہے کہ پہلے اجازت حاصل کرو اور جب گھر میں جاؤ تو سلام کرو۔(۳) علامہ قرطبی علیہ الرحمہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔(۴)

اس مفہوم کے اعتبار سے آیت میں کوئی تقدیم وتاخیر نہیں ہوگی، پہلے استیذان کیا جائے اور جب اجازت مل جائے اور گھر میں جائیں تو سلام کریں، اس موقف کی تائید حضرت ابوایوب

(۱) تفسیر ابن کثیر ۶/ ۳۷۔
(۲) النور: ۲۷۔
(۳) تفسیر ابن کثیر ۶/ ۳۳۔
(۴) تفسیر قرطبی ۱۲/ ۲۱۳۔

انصاری ﷛ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ **وتسلموا علی اھلھا** میں تو سلام کا ذکر ہے اور ہمیں اس کا طریقہ معلوم ہے؛ لیکن استیذان کسے کہتے ہیں اور اس کا طریقہ کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ سبحان اللہ، الحمدللہ یا اللہ اکبر بول کر گھر والوں کو اپنی آمد کی اطلاع دے دے، یا کھنکار کر ان کو آگاہ کردے۔(۱)

علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں یہ تفصیل کی ہے کہ اگر اجازت لینے سے پہلے گھر کے کسی آدمی پر نظر پڑ جائے تو پہلے سلام کرے، پھر اجازت طلب کرے، ورنہ پہلے اجازت لے اور جب گھر میں جائے تو سلام کرے۔(۲)

مگر عام روایات سے جو مسنون طریقہ معلوم ہوتا وہ یہی ہے کہ پہلے باہر سے سلام کرے، ''السلام علیکم'' اس کے بعد اپنا نام لے کر کہے کہ فلاں شخص ملنا چاہتا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ ﷛ سے روایت کیا ہے کہ جو شخص سلام سے پہلے استیذان کرے اس کو اجازت نہ دو؛ (کیونکہ اس نے مسنون طریقہ کو چھوڑ دیا ہے)(۳)

بنو عامر کے ایک صاحب نے نبی کریم ﷺ سے اس طرح استیذان کیا: **أألج**؟ کیا میں گھس آؤں؟ آپ ﷺ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ یہ شخص استیذان کا طریقہ نہیں جانتا، باہر جا کر اس کو طریقہ سکھلاؤ کہ یوں کہے: **السلام علیکم أأدخل**؟ یعنی کیا میں داخل ہوسکتا ہوں، ابھی یہ خادم باہر نہیں گیا تھا کہ اس نے خود حضور ﷺ کے کلمات سن لیے اور اس طرح کہا: **السلام علیکم أأ دخل**؟ آپ ﷺ نے اسے اندر آنے کی اجازت دے دی،(۴) اور علامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر ﷛ سے آپ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص پہلے سلام نہ کرے تو اسے اندر آنے کی اجازت مت دو۔(۵)

اس واقعہ میں حضور ﷺ نے دو اصلاحات فرمائی ہیں: ایک یہ کہ پہلے سلام کرنا چاہیے،

---

(۱) سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۳۷۰۷۔
(۲) النکت والعیون للماوردی ۴/۸۷۔
(۳) الادب المفرد، حدیث نمبر: ۱۰۶۶۔
(۴) مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۳۱۲۷۔
(۵) شعب الایمان، حدیث نمبر: ۸۴۳۳۔

دوسرے یہ کہ آنے والے نے **أأدخل** کے بجائے **أألج** کا لفظ استعمال کیا تھا جو نامناسب تھا؛ کیونکہ یہ ولوج سے مشتق ہے، جس کے معنی کسی تنگ جگہ میں گھسنے کے ہیں، جو تعبیر کی غلطی اورتہذیب الفاظ کے خلاف تھا،اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی، بہر حال ان روایات سے یہ معلوم ہوا کہ آیت استیذان میں جوسلام کرنے کا ذکر ہے، یہ سلام استیذان ہے جواجازت حاصل کرنے کیلئے باہر سے کیا جاتا ہے،تا کہ اندر جوشخص ہے وہ متوجہ ہوجائے اور جوالفاظ اجازت طلب کرنے کیلئے کہا جائے وہ سن لے پھر جب اجازت مل جائے اور گھر میں داخل ہونے لگے تو حسب معمول دوبارہ سلام کرے۔

اجازت لینے والا اپنا نام ظاہر کرے

اجازت لیتے وقت اپنے نام کو ظاہر کر کے اجازت لینی چاہیے،حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت حاضر ہوئے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی تو آپ رضی اللہ عنہ نے دروازہ پر کھڑے ہو کر عرض کیا: **السلام علیک یا رسول اللّٰہ، السلام علیکم ایدخل عمر ؟** (۱) یعنی سلام کرنے کے بعد پوچھا کہ کیا عمر داخل ہوسکتا ہے؟ اور صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو استیذان کے لئے پہلی مرتبہ فرمایا: **السلام علیکم ھذا عبد اللّٰہ بن قیس**،عبداللہ بن قیس ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کا اصل نام تھا؛لیکن اندر سے کوئی جواب نہیں آیا، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے **السلام علیکم ھذا ابو موسی** فرمایا، پھر بھی کوئی جواب نہیں آیا ،اس کے تھوڑی دیر بعد پھر فرمایا: **السلام علیکم ھذا الاشعری**،مگر اس مرتبہ بھی جواب نہیں ملا تو حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ واپس ہو گئے۔(۲)اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہلے آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا اصلی نام بتایا، پھر وضاحت کیلئے ابوموسی فرمایا، اور مزید وضاحت کے لیے الاشعری فرمایا،اور یہ اس لئے کہ جب تک آدمی اجازت لینے والے کو نہیں پہچانے گا تو جواب دینے میں اسے تشویش ہوگی ،جس سے مخاطب کو بچانا چاہیے۔

---

(۱) ابوداؤد،حدیث نمبر:۵۲۰۱۔
(۲) مسلم شریف،حدیث نمبر:۲۱۵۴۔

اجازت لینے کا غلط طریقہ

آج کل بہت سے حضرات جب کسی سے ملنے کیلئے جاتے ہیں تو دروازہ پر دستک دینے کے بعد خاموش رہتے ہیں، حتی کہ اندر سے جب پوچھا جاتا ہے تو بھی کوئی جواب نہیں دیتے، یہ مخاطب کو تشویش میں ڈالنا اور ایذا پہونچانا ہے، جس سے استیذان کی مصلحت ہی فوت ہوجاتی ہے، اسی حکم میں وہ صورت بھی ہے جو بعض لوگ کرتے ہیں کہ اندر داخل ہونے کی اجازت مانگی، لیکن اپنا نام ظاہر نہیں کیا، اندر سے پوچھا گیا کہ کون صاحب ہیں؟ تو جواب میں کہہ دیا گیا کہ میں ہوں، یہ سائل کے سوال کا جواب نہیں ہے، جس نے اول آواز سے نہیں پہچانا وہ میں کے الفاظ سے کیا پہچانے گا، حضرت علی بن عاصم واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں بصرہ پہونچا تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے ملنے کیلئے ان کے گھر پر حاضر ہوا، میں نے دروازہ پر دستک دی، اندر سے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کون؟ تو میں نے جواب دیا: **انا** (یعنی میں ہوں) تو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کہ میرے دوستوں میں تو کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کا نام "**انا**" ہو، پھر باہر تشریف لائے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث سنائی، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اجازت لینے کیلئے دروازہ پر دستک دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کون صاحب ہیں؟ تو میں نے کہہ دیا "**انا**" (میں ہوں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تنبیہ فرمایا: "**انا انا**" یعنی **انا انا** کہنے سے کیا حاصل ہے، اس سے کوئی پہچانا نہیں جاتا۔(۱)

دستک زور سے نہ دے

حدیث بالا سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ استیذان کیلئے دروازہ پر دستک دینا جائز ہے، لیکن دستک اتنی زور سے نہ دے کہ سننے والا گھبرا اٹھے؛ بلکہ متوسط انداز سے دے جس سے آواز اندر تک تو چلی جائے؛ لیکن کوئی سختی ظاہر نہ ہو، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر دستک دیتے تھے ان کی عادت یہ تھی کہ وہ ناخنوں سے دروازہ پر دستک دیتے تھے۔(۲) اور یہ اس لئے ہوتا تھا؛ تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ ہو، جو شخص استیذان کے

(۱) الجامع لاخلاق الروای، حدیث نمبر: ۲۲۹۔
(۲) شعب الایمان، حدیث نمبر: ۱۴۳۷۔

مقصد کو سمجھ لے کہ اصل اس سے استیناس ہے، یعنی مخاطب کو مانوس کر کے اجازت حاصل کرنا ہے، وہ خود بخود ان سب چیزوں کی رعایت کو ضروری سمجھے گا اور جن چیزوں سے مخاطب کو تکلیف ہوسکتی ہے ان سے بچے گا۔

اجازت لینے کا کوئی متعین طریقہ نہیں ہے

اجازت لینے کے طریقے ہر زمانے اور ہر ملک میں مختلف ہوسکتے ہیں، ان میں سے ایک طریقہ دروازہ پر دستک دینے کا تو خود روایات سے ثابت ہے، اسی طرح جو لوگ اپنے دروازہ پر گھنٹی لگا لیتے ہیں تو اس کا بجا دینا بھی واجب استیذان کی ادائیگی کے لیے کافی ہے، بشرطیکہ گھنٹی بجانے کے بعد اپنا نام بھی ایسی آواز سے ظاہر کردے کہ مخاطب سن لے، اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ جو کسی جگہ رائج ہو اس کا استعمال کرلینا بھی جائز ہے، آج کل اپنا کارڈ جس پر خود کا نام، اور ضروری تعارف اس میں درج ہوتا ہے، اس کا مخاطب تک پہونچا دینا بھی مقصد استیذان کو اچھی طرح پورا کردیتا ہے، اس لئے اس کا بھجوا دینا بھی جائز ہے؛ کیونکہ اجازت دینے والے کو اجازت چاہنے والے کا پورا نام و پتہ اپنی جگہ بیٹھے ہوئے بغیر کسی تکلیف کے معلوم ہوجاتا ہے۔

ملاقات کی اجازت نہ ملے تو؟

اگر استیذان کے بعد مخاطب نے جواب میں یہ کہہ دیا کہ اس وقت ملاقات نہیں ہوسکتی، لوٹ جایئے، تو اس سے بُرا نہیں ماننا چاہیے؛ کیونکہ ہر شخص کے حالات اور اس کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں، بعض وقت وہ مجبور ہوتا ہے، باہر نہیں آسکتا، نہ آپ کو اندر بلا سکتا ہے تو ایسی حالت میں اس کے عذر کو قبول کرنا چاہیے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِن قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَى لَكُم - (۱)

اور اگر تم سے کہہ دیا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ آیا کرو، یہی بات تمہارے لیے بہتر ہے۔

اور بُرا نہیں ماننا چاہیے، اور نہ وہیں جم کر بیٹھنا چاہیے کہ مخاطب آپ سے ملنے کیلئے مجبور ہی

(۱) النور: ۲۸۔

ہوجائے، بعض حضرات سلف سے منقول ہے وہ فرماتے تھے کہ میں عمر بھر اس تمنا میں رہا کہ کسی کے پاس جا کر استیذان کروں اور وہ مجھے یہ جواب دے کہ لوٹ جاؤ تو میں اس حکم قرآن کی تعمیل کا ثواب حاصل کروں، مگر عجیب اتفاق ہے کہ مجھے کبھی یہ نعمت نصیب نہیں ہوئی (۱)

بلا مجبوری ملنے سے عذر نہ کرے

آیت بالا میں جس طرح آنے والے کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ اگر استیذان کرنے پر اجازت نہ ملے اور کہا جائے کہ اس وقت لوٹ جاؤ تو کہنے والے کو معذور سمجھو اور خوشدلی کے ساتھ واپس ہوجاؤ اور بُرا نہ مانو، اسی طرح ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے گھر والوں کو ہدایت دی ہے:

إِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا۔ (۲)

جو شخص ملنے کے لئے آئے تو اس کا بھی تم پر حق ہے۔

اس کا حق یہ ہے کہ اس کو اپنے پاس بلاؤ یا باہر آ کر اس سے ملو، اس کا اکرام کرو، بات سنو، بلا کسی شدید مجبوری اور عذر کے ملاقات سے انکار نہ کرو۔

استیذان کا جواب نہ آئے تو؟

اگر کسی کے دروازے پر جا کر استیذان کیا اور اندر سے کوئی جواب نہ آیا تو سنت یہ ہے کہ دوبارہ پھر استیذان کرے، پھر بھی جواب نہ آئے تو تیسری مرتبہ پھر کرے، اگر تیسری مرتبہ بھی جواب نہ آئے تو لوٹ جانا چاہیے؛ کیونکہ تین مرتبہ کہنے سے تقریباً یہ تو متعین ہوجاتا ہے کہ اس نے آواز سن لی ہے؛ مگر وہ یا تو ایسی حالت میں ہے کہ جواب نہیں دے سکتا، مثلاً نماز پڑھ رہا ہے، یا بیت الخلاء میں ہے یا غسل کر رہا ہے اور یا پھر اس وقت وہ ملنا نہیں چاہتا ہے، دونوں حالتوں میں وہیں جمے رہنا اور مسلسل دستک دیتے رہنا یا گھنٹی بجاتے رہنا موجب ایذاء ہے، جس سے بچنا واجب ہے؛ کیونکہ استیذان کا اصل مقصد ہی ایذاء سے بچنا ہے، حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

إِذَا اسْتَأْذَنَ أَحَدُكُمْ ثَلَاثًا فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهُ فَلْيَرْجِعْ۔ (۳)

(۱) قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب ۱/۲۷۹، ذکر ما احدث الناس من القول والفعل فیھا بینھم۔
(۲) بخاری، حدیث نمبر: ۱۹۷۴۔
(۳) بخاری، حدیث نمبر: ۶۲۴۵۔

جب کوئی آدمی تین مرتبہ استیذان کرے اور کوئی جواب نہ آئے تو اس کو لوٹ جانا چاہیے۔

اجازت نہ ملنے پر حضور ﷺ کا عمل

حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے اور ''**السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ**'' کہا، ہمارے والد حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے سلام کا جواب آہستہ سے دیا، حضرت قیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد بزرگوار سے عرض کیا کہ آپ حضور ﷺ کو اندر آنے کی اجازت نہیں دینا چاہتے ہیں؟ ہمارے والد نے فرمایا: ٹھہرو آپ ﷺ کی طرف سے ہمارے اوپر زیادہ سے زیادہ سلامتی کی دعا ہورہی ہے، اتنے میں پھر حضور ﷺ نے ''**السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ**'' کہا، پھر ہمارے والد نے آہستہ سے جواب دیا، تیسری مرتبہ بھی حضور ﷺ نے ''**السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ**'' کہا، ہمارے والد نے پھر آہستہ سے جواب دیا، تین مرتبہ ایسا کرنے کے بعد آپ ﷺ لوٹ گئے، جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اب آواز نہیں آرہی ہے تو گھر سے نکل کر آپ ﷺ کے پیچھے دوڑے اور یہ عذر پیش کیا کہ یارسول اللہ! میں نے ہر مرتبہ آپ ﷺ کا سلام سنا اور جواب بھی دیا؛ مگر آہستہ سے دیا؛ تاکہ آپ کی زبان مبارک سے زیادہ سے زیادہ سلام کے الفاظ میرے بارے میں نکلیں اور میرے لیے موجب برکت ہو، اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کو ساتھ اپنے گھر لے گئے اور غسل کے لئے پانی وغیرہ رکھنے کا حکم دیا، آپ ﷺ نے ان کے یہاں غسل فرمایا: حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے رنگین چادر آپ ﷺ کی خدمت میں تحفۃً پیش کیا، آپ ﷺ نے اسے زیب تن فرمایا اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا فرمائی:

اللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَرَحْمَتَكَ عَلَى آلِ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ۔(۱)

اے اللہ! اپنا نظر کرم اور رحمت سعد بن عبادہ کے آل واولاد پر متوجہ فرما۔

پھر آپ ﷺ نے کھانا تناول فرمایا، اس کے بعد جب آپ ﷺ واپس ہونے لگے تو حضرت

(۱) سنن ابوداؤد، حدیث نمبر: ۵۱۸۵۔

سعد رضی اللہ عنہ نے ایک سواری کا انتظام فرمایا اور اس پر اچھی طرح زین کسا اور اچھے قسم کا کپڑا اس پر ڈال کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، آپ ﷺ سوار ہو گئے، پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے حضرت قیس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ حضور ﷺ کے ساتھ جاؤ، حضرت قیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں حضور ﷺ کے ساتھ چلنے لگا تو آپ ﷺ نے مجھے بھی سوار ہو جانے کا حکم فرمایا؛ لیکن میں نے احتراماً انکار کیا تو آپ ﷺ نے دوٹوک انداز میں فرمایا کہ یا تو میرے ساتھ سوار ہو جاؤ؛ ورنہ اپنے گھر واپس ہو جاؤ، حضرت قیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے واپس ہونا ہی مناسب سمجھا؛ اس لئے میں واپس ہو گیا(۱)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا یہ عمل غلبۂ عشق ومحبت کا نتیجہ تھا، اس وقت ان کا ذہن اس طرف نہ گیا کہ سردار دو عالم دروازے پر تشریف فرما ہیں، مجھے فوراً جا کر ان کے قدم چوم لینے چاہئیں؛ بلکہ ذہن میں یہ آیا کہ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے **السلام علیکم** جتنی مرتبہ نکلے گا، میرے لئے زیادہ مفید ہوگا، بہرحال اس سے یہ مسئلہ ثابت ہو گیا کہ تین مرتبہ استیذان کے بعد جواب نہ آئے تو سنت یہ ہے کہ لوٹ جائے، وہیں جم کر بیٹھ جانا خلاف سنت اور مخاطب کے لئے موجب ایذاء ہے کہ اس پر دباؤ ڈال کر اسے نکلنے پر مجبور کرنا ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل

صحابہ حضور ﷺ کی سنت پر مر مٹنے والے تھے، آپ ﷺ کی ہر ادا کو اختیار کرنا اور اسے اپنے لئے نمونہ بنانا ان حضرات کا شیوہ تھا، استیذان کے باب میں بھی وہ حضور ﷺ کے آئینہ دار تھے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں انصار کی ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ گھبرائے ہوئے آئے، ہم لوگوں نے ان سے گھبراہٹ کی وجہ پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے عمر رضی اللہ عنہ نے بلایا تھا، میں جب ان کے یہاں پہونچا اور یکے بعد دیگرے تین مرتبہ اجازت طلب کی؛ لیکن انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا تو میں واپس ہو گیا، پھر انہوں نے اندر نہ آنے کی وجہ پوچھی تو میں نے واقعہ بتایا کہ تین مرتبہ اجازت آپ سے میں نے طلب کی؛ لیکن آپ نے اجازت نہیں دی؛ اس لئے میں لوٹ گیا؛ کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

(۱) سنن ابوداؤد، حدیث نمبر: ۵۱۸۵۔

إِذَا اسْتَأْذَنَ أَحَدُكُمْ ثَلاَثًا فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهُ فَلْيَرْجِعِ۔ (۱)

جب تم میں سے کوئی تین مرتبہ استیذان کرے پھر بھی اجازت نہ ملے تو واپس ہوجاؤ۔

یہ سنتے ہی انہوں نے فرمایا کہ یہ واقعی حضور ﷺ کی حدیث ہے، اس پر بینہ پیش کرو، بس یہی وجہ ہے کہ گھبرایا ہوا تم لوگوں کے پاس آیا ہوں، تم میں کوئی ایسا ہے جو اس بارے میں گواہی دے سکے، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ضرور اس حدیث کے بارے میں گواہی دی جائے گی، مگر گواہی دینے کے واسطے یہاں پر موجود لوگوں میں عمر کے لحاظ سے سب سے چھوٹا گواہی دے گا، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں وہاں موجود لوگوں میں سب سے چھوٹا تھا، میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ گیا اور یہ گواہی دی کہ واقعۃً حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو تین مرتبہ اجازت طلب کرے پھر بھی اس کو اجازت نہ ملے تو واپس ہوجائے۔(۲)

یہ حکم اس وقت ہے جب کہ سلام یا دستک وغیرہ کے ذریعہ اجازت حاصل کرنے کی تین مرتبہ کوشش کر لی ہو تو اب وہاں مزید بیٹھنا موجب ایذاء ہے، لوٹ آنا چاہیے، یہی حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل تھا۔

استیذان کے بغیر کسی کا انتظار کرنا

اگر کسی عالم یا بزرگ کے دروازہ پر بغیر استیذان کئے ہوئے اور بغیر ان کو اطلاع دیے ہوئے کوئی بیٹھ رہے کہ جب وہ اپنی فرصت کے مطابق باہر تشریف لاویں گے تو ملاقات ہوجائے گی تو یہ ممنوع نہیں ہے؛ بلکہ عین ادب ہے، خود قرآن کریم نے لوگوں کو یہ ہدایت دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب گھر میں ہوں تو ان کو آواز دے کر بلانا ادب کے خلاف ہے؛ بلکہ لوگوں کو چاہیے کہ انتظار کریں، جس وقت آپ ﷺ اپنی ضرورت سے باہر تشریف لاویں تو اس وقت ملاقات کریں۔ (۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں تحصیل علم میں مشغول ہوا تو سب سے زیادہ علم

---

(۱) بخاری، حدیث نمبر: ۶۲۴۵۔

(۲) مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۱۰۲۹۔

(۳) الحجرات: ۴-۵۔

مجھے حضرات انصار کے پاس ملا، میں جب کسی انصاری صحابی کے پاس جاتا اوران کے بارے میں معلوم ہوتا کہ وہ آرام فرمارہے ہیں تو میں اپنی چادر سر کے نیچے رکھ کر لیٹ جاتا، جب وہ ظہر کی نماز کیلئے نکلتے تو مجھ سے پوچھتے کہ آپ ﷺ کب سے یہاں ہمارے انتظار میں تھے، میں کہتا کہ بہت دیر سے، وہ فرماتے: آپ نے اچھا نہیں کیا، آپ کو اپنی آمد کی اطلاع دینی چاہیے تھی، میں جواباً کہتا کہ ادب یہی ہے کہ جب آپ اپنی مصروفیات سے فارغ ہو کر از خود نکلیں تب میں آپ سے علم حاصل کروں۔(۱)

رفاہ عام والے مکانات میں استیذان

وہ مکانات ومقامات جو کسی خاص فرد یا کسی خاص قوم کیلئے خصوصی طور پر رہائش گاہ نہ ہوں، بلکہ افراد قوم کو عام اجازت وہاں ٹھہرنے اور استعمال کرنے کی ہو، جیسے مسافر خانے، ڈاکخانہ، ریلوے اسٹیشن، ہوائی اڈے، قومی تفریحات، ہسپتال، دینی مدراس، خانقاہیں، اور عام مساجد، یہ سب رفاہ عام کے ادارے ہیں، وہاں ہر شخص بلا اجازت جاسکتا ہے، حضرت ابو بکر صدیق ﷺ فرماتے ہیں کہ جب استیذان کی آیات نازل ہوئیں، جن میں بغیر اجازت کے کسی مکان میں داخل ہونے کی ممانعت تھی تو میں نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اس ممانعت کے بعد قریش کے تجارت پیشہ لوگ کیا کریں گے، کیونکہ مکہ اور مدینہ سے ملک شام اور بیت المقدس تک ان کے تجارتی اسفار ہوتے ہیں، اور راستہ میں جابجا مسافر خانے بنے ہوتے ہیں، جن میں دوران سفر وہ لوگ قیام کرتے ہیں، ان میں کوئی مستقل رہنے والا نہیں ہوتا ہے تو وہاں استیذان کی کیا صورت ہوگی اور اجازت کس سے حاصل کی جائے گی؟ اس پر درج ذیل آیت نازل ہوئی:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَدْخُلُوا بُيُوتاً غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُم - (۲)

اورتم کو ایسے مکانات میں چلے جانے میں گناہ نہ ہوگا جن میں کوئی نہ رہتا ہو،

(۱) سنن دارمی، حدیث نمبر:۵۸۵۔
(۲) النور: ۲۹۔

(اور) ان میں تمہاری برت ہو۔

آیت میں لفظ متاع کے لغوی معنی کسی چیز کے برتنے، استعمال کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کے ہیں، اور جس چیز سے فائدہ اٹھایا جائے اس کو بھی متاع کہا جاتا ہے، آیت میں متاع کے لغوی معنی ہی مراد ہیں، جس کا ترجمہ بَرَت سے کیا گیا ہے یعنی برتنے کا استحقاق؛ لہٰذا جن مقامات کو برتنے کی عمومی اجازت ہو اس میں داخل ہوتے وقت کسی اجازت کی ضرورت نہ ہوگی۔(۱)

رفاہ عام کے بعض مخصوص مکانات

رفاہ عام کے اداروں میں جس مقام پر اس کے مالکان یا متولی حضرات کی طرف سے داخلہ کیلئے کچھ شرائط اور پابندیاں ہوں تو اس کی رعایت شرعاً واجب ہوگی، مثلاً ریلوے اسٹیشن پر اگر پلیٹ فارم ٹکٹ لئے بغیر جانے کی اجازت نہیں ہے تو پلیٹ فارم ٹکٹ حاصل کرنا ضروری ہوگا، اور اس کی خلاف ورزی ناجائز ہوگی، اسی طرح ہوائی اڈے کے جس حصہ میں جانے کی ممانعت محکمہ کی طرف سے ہو وہاں بغیر اجازت جانا شرعا جائز نہ ہوگا، اسی طرح مساجد، مدارس، خانقاہوں، ہسپتالوں وغیرہ میں جو کمرے وہاں کے منتظمین یا دوسرے لوگوں کی رہائش کیلئے مخصوص ہوں، دفاتر ہوں، وہ سب بیوت غیر مسکونہ کے حکم میں نہیں ہیں، بلکہ مسکونہ کے حکم میں ہیں، ان میں بغیر اجازت جانا شرعا ممنوع اور گناہ ہے۔

استیذان کے وقت کہاں کھڑا ہو؟

کسی کے مکان پر ملاقات کیلئے جانا ہو تو اجازت حاصل کرنے کیلئے دروازہ کے بالکل سامنے کھڑا نہیں ہونا چاہیے، حسب سہولت دروازہ کے دائیں یا بائیں جانب کھڑا ہونا چاہیے، اور نہ اندر جھانکنا چاہیے، کیونکہ استیذان کی مصلحت تو یہی ہے کہ صاحبِ خانہ جو چیز آپ ظاہر نہیں کرنا چاہتا ہے اس پر آپ کو اطلاع نہیں ہونی چاہیے، اگر پہلے ہی گھر میں جھانک کر دیکھ لیا تو یہ مصلحت فوت ہوگئی، حدیث میں اس کی سخت ممانعت آئی ہے، حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک

---

(۱) تفسیر مظہری ۴۹۰/۶۔

صاحب نے نبی کریم ﷺ کے مکان میں جھانکا، نبی کریم ﷺ کے دست مبارک میں ایک لکڑی تھی، جس سے سرمبارک کھجار ہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر مجھے پہلے معلوم ہوتا کہ تم جھانک رہے ہوتو میں تمہاری آنکھ پھوڑ دیتا، استیذان تو تاک جھانک سے روکنے ہی کے لئے ہے۔(۱) اور ایک حدیث میں ہے کہ جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑنے کی آپ ﷺ کوشش کررہے تھے۔(۲) اور حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب کسی کے یہاں تشریف لے جاتے تو دروازہ کے بالکل سامنے کھڑے نہیں ہوتے تھے، دروزہ کے دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہوکر ''**السلام علیکم، السلام علیکم**'' کہا کرتے تھے، دروازہ کے بالمقابل کھڑے ہونے سے آپ ﷺ اس لئے اجتناب فرماتے کہ اول تو اس زمانے میں دروازوں پر پردے نہیں ہوتے تھے۔(اور پردہ بھی ہوتو کھل جانے کا احتمال بہر حال ہے)(۳)

حادثہ کے وقت استیذان

بغیر استیذان کے کسی کے گھر میں داخل ہونے کی جو ممانعت ہے یہ عام حالات کے لحاظ سے ہے؛ لیکن کسی گھر میں کوئی حادثہ پیش آجائے، آگ لگ جائے، یا مکان کا کوئی حصہ منہدم ہوجائے تو اجازت لئے بغیر بھی اس میں جاسکتے ہیں، اور امداد کیلئے جانا بھی چاہیے۔(۴)

قاصد کے ساتھ آنے والے کے لئے استیذان

جب کوئی شخص اپنے قاصد کو بھیج کر کسی کو بلائے، اور وہ اس کے قاصد کے ساتھ ہی آجائے تو اس کو اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے، قاصد کے ساتھ اس کا آجانا ہی اجازت ہے، حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى طَعَامٍ فَجَاءَ مَعَ الرَّسُولِ فَإِنَّ ذَلِكَ لَهُ إِذْنٌ -(۵)

---

(۱) بخاری، حدیث نمبر:۶۲۴۱۔
(۲) حوالہ سابق، رقم: ۶۲۴۲۔
(۳) سنن ابودؤاد، حدیث نمبر:۵۱۸۶۔
(۴) تفسیر مظہری ۴۸۸/۶۔
(۵) سنن ابوداؤد، حدیث نمبر:۵۱۹۰۔

جب تم میں سے کسی کو کھانے پر بلایا جائے اور وہ قاصد کے ساتھ ہی آجائے
تو یہی اس کے لئے اندر آنے کی اجازت ہے۔
ہاں اگر اس وقت نہ آیا، کچھ دیر کے بعد پہونچا تو اجازت لینا ضروری ہے۔(۱)

فون کرنے کے آداب

استیذان کے احکام کے ذیل میں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ استیذان کا اصل مقصد لوگوں کی ایذاء رسانی سے بچنا ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص کو ایسے وقت میں فون کرنا جو اس کے سونے یا دوسری ضروریات میں مشغول ہونے کا وقت ہو، بلا ضرورت شدیدہ جائز نہیں ہے؛ کیونکہ اس میں بھی وہی ایذاء رسانی ہے، جو کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونے اور اس کی آزادی میں خلل ڈالنے سے ہوتی ہے۔(۲)

فون پر طویل گفتگو

فون پر اگر لمبی گفتگو کرنے کی ضرورت ہو تو پہلے مخاطب سے دریافت کرلیا جائے کہ آپ کو فرصت ہو تو میں اپنی بات عرض کروں؛ کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ فون کی گھنٹی بجنے پر آدمی طبعا مجبور ہوتا ہے کہ فوراً معلوم کرے کہ کون کیا کہنا چاہتا ہے اور وہ اپنے ضروری کام کو بھی چھوڑ کر اٹھاتا ہے، اب اگر کوئی بے رحم آدمی اس وقت لمبی بات کرنے لگے تو سخت تکلیف ہوتی ہے؛ اس لئے لمبی بات اجازت ملنے کے بعد ہی شروع کرنی چاہیے۔(۳)

فون پر بات کرنے کے لئے اجازت لینا

جس شخص سے فون پر بات اکثر کرنا ہو تو مناسب یہ ہے کہ اس سے دریافت کرلیا جائے کہ آپ کو فون پر بات کرنے میں کس وقت سہولت ہوتی ہے، جو وقت بتائے اسکی پابندی کیا کرے۔(۴)

---

(۱) تفسیر مظہری ۶/ ۴۸۸۔
(۲) معارف القرآن ۶/ ۳۸۲۔
(۳) حوالہ سابق۔
(۴) حوالہ سابق۔

فون نہ اٹھانا

بعض حضرات کے فون کی گھنٹی بجتی رہتی ہے اور سننے کے باوجود وہ نہیں اٹھاتے، یہ اسلامی اخلاق کے خلاف اور بات کرنے والے کی حق تلفی ہے، حدیث میں ہے: **إِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا**۔ (۱) یعنی جو شخص آپ کی ملاقات کو آئے اس کا تم پر حق ہے کہ اس سے بات کرو اور بلاضرورت ملاقات سے انکار نہ کرو، اسی طرح جو آدمی آپ سے بات کرنا چاہتا ہے اس کا حق ہے کہ آپ اس کو جواب دیں۔ (۲)

موبائل پر آخر میں سلام

ایک غلط طریقہ یہ چل پڑا ہے کہ فون بند کرتے ہوئے لوگ خدا حافظ، ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، رکھتے ہیں اور ان جیسے الفاظ کہتے ہیں، حالانکہ السلام علیکم نہ کہنے کی وجہ سے ایک سنت سے محرومی ہوتی ہے؛ لہٰذا ٹیلیفون رکھتے وقت گفتگو کا اختتام السلام علیکم پر ہونا چاہیے، حضرت ابو ہریرۃ حضور ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں:

إِذَا انْتَهَى أَحَدُكُمْ إِلَى مَجْلِسٍ فَلْيُسَلِّمْ، فَإِنْ بَدَا لَهُ أَنْ يَجْلِسَ فَلْيَجْلِسْ، ثُمَّ إِذَا قَامَ فَلْيُسَلِّمْ فَلَيْسَتِ الأُولَى بِأَحَقَّ مِنَ الآخِرَةِ۔ (۳)

جب کوئی شخص مجلس میں آئے تو سلام کرے، اگر بیٹھنے کی ضرورت ہو تو بیٹھ جائے، پھر جب جانے لگے تو دوبارہ سلام کرے؛ کیوں کہ پہلی مرتبہ سلام کرنا، دوسری مرتبہ سلام کرنے سے بہتر نہیں (یعنی دونوں وقت سلام مسنون ہے)۔

جب آپس کی ملاقات کے وقت سلام کرنا اور جاتے وقت بھی سلام کرنا مسنون ہے تو موبائل سے ملاقات کے وقت بھی سلام کرنا اور موبائل بند کرتے وقت رخصتی کا سلام کرنا مسنون ہوگا۔

---

(۱) بخاری، حدیث نمبر: ۱۹۷۴۔

(۲) حوالہ سابق۔

(۳) سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۲۷۰۷۔